کے قریب سے گزر گئی تو اس کے دل میں سرخ سرخ آندھیاں سی اٹھنے لگیں۔

"دنیا اتنی بڑی جگہ نہیں ہے۔" اس نے سوچا۔ اور جب آدمی ایک شہر میں رہتا ہو اور جدا ہوئے زیادہ سال بھی نہ گزرے ہوں تو ایک دوسرے کا سامنا ہو جانا کچھ ایسی تعجب انگیز بات بھی نہیں ہے۔"

پہلے بھی کئی بار بازار میں آتے جاتے ہوئے اس نے باسمہ کو یونہی تیز تیز انداز میں موٹر چلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور ہر بار... ایک دل جلا دینے والی گالی' زیر لب فضا میں پھینکی تھی۔ حرافہ... کمینی... بے حیا! اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ اپنے غصے پر قابو پا کے سوچتا' اس نے باسمہ کو گالی کیوں دی تھی؟

جب کوئی مرد کسی عورت کو طلاق دے دیتا ہے تو اتنی مکروہ گالی اس کی پیشانی پر لکھ دیتا ہے جسے کوئی مقدس پانی بھی نہیں دھو سکتا۔

اب مزید گالیوں کی گنجائش کہاں تھی؟

اس نے ہلچل کرتے جذبات کو قابو میں لانے کے لیے سگریٹ سلگا لیا۔ وہی سگریٹ جس کا کوٹہ باسمہ نے مقرر کر رکھا تھا۔ ایک دن میں صرف تین... اور اب دن میں تیس' چالیس سگریٹ پی کر دل کو چین نہیں آتا تھا... اور اسے دیکھو' شوکیس کی گڑیا بنی پھرتی ہے۔ ہاں نئی نئی شادی، جو رچالی ہے۔ خوش ہے۔

www.pkdigest.com

بشریٰ رحمٰن

تھل

باسمہ آج پھر اسے نظر آ گئی تھی۔ یوں موٹر چلاتی ہوئی سڑک کے سینے کو روند رہی تھی جیسے کوئی بجرا پانی کے سینے پر رواں ہو۔ امان جب بھی اسے موٹر میں جاتا ہوا دیکھ لیتا' اسے یوں محسوس ہوتا جیسے باسمہ سر پر تاج شاہانہ سجائے... اسی وقار اور خود اعتمادی سے چلی جا رہی ہے... جو اس کی فطرت کا خاصا تھا۔

امان اس وقت ایک جنرل اسٹور کے باہر اپنے ایک دوست سے گپ لگا رہا تھا۔ باسمہ خوب بنی ٹھنی اس

مسور ہے۔ اور مجھ سے کہتی تھی۔ "جس دن تمہارے علاوہ مجھے کسی اور مرد نے۔ چھو لیا تو میری موت واقع ہو جائے گی۔"

"خرافہ' بکتی تھی۔" اس نے پھر اپنی سانس کی پھنکار کے ساتھ فضا میں زہریلے میزائل کی مانند ایک گولی چھوڑی' جیسے وہ سیدھی باسمہ کے کلیجے میں جا کے اترے گی۔ اب وہ یہ سب کچھ اپنے نئے شوہر سے کہتی ہوگی۔ اب اپنی ادائیں اس پر نثار کرتی ہوگی۔ سب بکواس کرتی ہیں یہ عورتیں۔

"یار! تم نے بھی تو وہ سب اپنی نئی بیوی سے کہا ہے۔ ذرا اپنا دل بھی تو ٹٹولو۔ کیا محبت کا کھیل تم نے دوبارہ نہیں رچایا۔ اور اس کی سیج تلے رچایا۔ ہرجائی تم ہو کہ باسمہ ہے؟"

"ہاں۔" اس نے دھیرے سے کش چھوڑا۔

"باسمہ تو ایسی عورت ہے کہ اس سے کوئی بھی مرد بے اختیار پیار کر سکتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے جانے کیسی مٹی سے گوندھا ہے کہ وہ ہمیشہ مہک دیتی رہے گی۔ ذرا دیکھو نا' یوں جا رہی تھی جیسے مہ و سال اس پر سے نثار ہوتے ہوئے گزر رہے ہوں۔

خوب بن ٹھن کر رہنے لگی ہے۔ بال بھی کٹوا لیے ہیں۔ کتنی مسور نظر آ رہی تھی۔ شاید اس کا نیا شوہر ہر وقت اسے میک اپ میں دیکھنا پسند کرتا ہوگا۔

اور جانے کیا کیا پسند کرتا ہوگا۔

امان کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اور باسمہ کو چھونے کے تصور سے ہی اس کے تن بدن میں ہزارہا قمقمے جل اٹھے۔ باسمہ جادو کی ایسی پٹاری تھی جس کے کھلتے ہی ہوش اڑ جاتے ہیں۔ جانے ہوش اڑانے کی ادا قدرت نے اسے بخشی تھی۔ یا اس نے زمانے سے سیکھی تھی۔ مگر وہ عقل و خرد کے سارے ٹھکانے پھونک کر اس کے آنگن میں آئی تھی' بی اماں کو تو وہ بالکل پسند نہیں آئی تھی۔ اور کوئی عیب نہیں تھا اس میں۔ بی اماں اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی اپنی بھانجی رشیدہ سے کرنا چاہتی تھیں۔ اکلوتا بیٹا جسے وہ امان اللہ کہتی تھیں اور اسے اللہ کی امان میں دے رکھا تھا۔

اس پر یکایک باسمہ نے اپنی مسکراہٹوں کا طلسم چھڑک دیا تو بی اماں کو باسمہ ڈائن کی مانند نظر آنے لگی۔ جو بستے گھروں پر امر بیل بن کر چمٹ جاتی ہے۔

یوں وہ بہو بن کر آئی تو انہوں نے گردن ڈال دی۔ بیٹا اکلوتا ہو۔ ماں کی آنکھ کا تارا ہو۔ تو اسے من مانی اور خود سری کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ گھر کا اوپر والا حصہ بی اماں نے بہو اور بیٹے کو دے دیا تھا۔ اوپر دو کمرے' ایک غسل خانہ' ایک باورچی خانہ اور ایک دالان تھا۔ دو' تین سال بی اماں بہو کے ہاتھ کا پکا کھاتی رہیں۔ پھر یکایک انہیں بہو کے ہاتھ میں کیڑے نظر آنے لگے۔ کیوں نظر نہ آتے... تین سال ہو گئے تھے اور بہو کی کوکھ بنجر تھی۔

"یہ عشق کی ماری لڑکیاں... پتا نہیں کیا' کیا کرتی ہیں۔ کم بختیں کہ ان کی گود ہری نہیں ہوتی۔ ایسی صورت کو چاٹا کرے۔ عورت کا حسن تو بچہ سے ہے۔ جس عورت کی گود میں بچہ نہیں اس سے بدصورت کون عورت ہوگی؟"

"اے یہ من مانیاں کر کے بزرگوں کا دل تو پہلے ہی توڑ دیتی ہیں' انہیں دعا کون دے؟"

یہ تو باسمہ بھی سوچا کرتی تھی کہ دعا لینے کس کے پاس جائے؟ اے کاش دعا بھی بازاروں میں بکتی ہوتیں تو وہ اپنے سارے زیور بیچ کر انہیں خرید لاتی۔ ویسے تو ہر جتن کیا تھا اس نے... محبت کی شادی میں ایک دھڑکا ہمیشہ جی کو لگا رہتا ہے۔ ابھی ایک سال ہی گزرا تھا کہ اس نے لیڈی ڈاکٹروں کے ہاں چکر لگانے شروع کر دیے۔ دوائیاں' انجکشن' چھوٹی موٹی صفائیاں... سب کچھ ساس سے بالا بالا کروا لیا... اور تو اور... کئی رازدار سہیلیوں کی معرفت تعویذ بھی منگوائے تھے' مگر دعا کا مقفل دروازہ کھلتا ہی نہ تھا۔ یوں بھی اس کے سر پر ماں نہ تھی۔ ایک باپ تھا' وہ بھی سدا کا اپاہج' برسوں سے چارپائی پر پڑا تھا۔

امان تو گھر میں لاڈلا تھا۔ مگر پانچ سال مسلسل اس نے باسمہ کے نخروں پر یوں ناز اٹھائے تھے کہ وہ بیمار باپ کو چھوڑ کر اس کے گھر آ گئی تھی۔

ابا جی سے کئی بار اشاروں کنایوں میں دعا کرنے کے لیے اس نے کہا۔ مگر پتا نہیں' باپ سے کیوں اس طرح بات نہیں ہو سکتی' جس طرح ماں سے ہو سکتی ہے۔

پانچ سال ایک بنجر ڈگر پر ہانپتے کانپتے... بالآخر اس نے صبر کرنے کی ٹھان لی... کیونکہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے وہی اصول ہیں... صبر یا جبر۔

پر اب تو بی اماں بھی واشگاف الفاظ میں اسے کوسنے لگی تھیں اور ہر آئے گئے کے آگے اپنے بیٹے کی نسل بندی کا ماتم کیا کرتیں۔

ان روز روز کی لڑائیوں میں ساس' بہو کا کھانا الگ ہو گیا۔

باسمہ اس میں بھی خوش تھی۔ وہ ادھر یوں پڑی رہتی جیسے کسی اچھوت کو رکھا جاتا ہے۔ روٹی پانی الگ' برتن الگ۔

ویسے بھی اسے سہیلیاں بنانے اور گھومنے پھرنے کا زیادہ شوق نہیں تھا۔ بس شام کو امان کے ساتھ ہی کہیں چلی جاتی۔ ورنہ گھر پر پڑی رہتی۔

اس طرح ساس' بہو کا زیادہ آمنا سامنا بھی نہیں ہوتا تھا۔ ویسے بھی اگر کسی عزیز کے آ جانے پر وہ نیچے جاتی یا اماں بی گھڑی بھر کو ادھر آ جاتیں تو وہ اپنا روایتی ادب و احترام برقرار رکھتی... جی... جی... کرتی رہتی... اور ان کی کڑوی کسیلی ہنس ہنس کے پیتی رہتی۔

دل میں بھی غصہ نہیں کرتی تھی۔

جو بات قدرت کے اختیار میں ہو' اس پر ناحق جان جلانا حماقت ہے۔ ایک دن اگر انسان یہ سوچ لے کہ وہ تو محض بساط کا مہرہ ہے۔ چلانے والا کوئی اور ہے' تو شہ اور مات کے چکر سے ہی نکل جاتا ہے۔ ہاں اس کی زندگی تب عذاب بنتی جب اسے امان سے کوئی شکوہ ہوتا۔ اس گھر میں آتے ہی اس نے سب سے پہلے امان کو پہچانا تھا۔

ماں کا ایک ہی بیٹا ہو۔ اور نازوں سے پلا ہو' تو وہ زندگی بھر بگڑا ہی رہتا ہے۔ بگڑے ہوئے بچے کو سدا ماں کی آغوش ہی اچھی لگتی ہے۔ اگر ماں کی گود سے نکلتے ہی اسے صحیح عورت نہ ملے تو پھر وہ طوائف کی گود میں پناہ لیتا ہے... کہ طوائف ایک کھلی دکان ہے۔

وہاں ہر قسم کا فرمائشی سودا بکتا ہے۔ طوائف کے ہاں کچھ نہیں ہوتا۔ ایک پہچان ہوتی ہے۔ گاہک کی پہچان' مرد کی پہچان' روٹھے ہوئے بگڑے ہوئے بچے کی پہچان۔ اپنے گاہک کو طلب گار بنانے کے لیے وہ گھڑی گھڑی روپ بدلتی ہے اور اسے لبھاتی ہے۔

یوں اس سے سارے رشتے ناتے چھڑا دیتی ہے۔

جانے باسمہ کو یہ سب کس نے بتایا تھا... پر یہ سب اس کے لاشعور میں تھا۔ اور اسے امان کو لبھانے کے سارے گر آ گئے تھے۔ اس لیے اس نے ساری دنیا سے منہ موڑ کر صرف امان سے لو لگا لی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے اپاہج باپ کو بھی بھول گئی تھی۔ وہ ایک نامکمل عورت تھی۔ بچے کی طرف سے جو کمی تھی وہ اپنی سعادت مندی' انکساری اور خدمت گزاری سے پوری کرتی تھی۔ جس عورت کی گود خالی ہو' وہ تو اپنے مرد سے اونچی آواز میں بول بھی نہیں سکتی۔ باسمہ جھکتے جھکتے امان کے تلووں تک پہنچ گئی تھی۔ مگر خوبصورتی کی ادا کو اس نے برقرار رکھا تھا۔ یوں مسلسل اس کے نخرے اٹھائے جا رہی تھی جیسے وہ اس کا اکلوتا بچہ ہو۔ بیوی کی گود میں جب ماں کی شفقت بھی سما جاتی ہے تو عورت پورے کا پورا مرد جیت لیتی ہے۔ یوں امان کو اپنی ہتھیلی کا چھالا بنا کر اس نے ایک ماں سے اس کا بیٹا کلیتاً چھین لیا تھا' اس لیے اماں بی کی جلی کٹی کا برا نہیں مانتی تھی۔ آخر اماں اس کو نہ کوستیں تو کس کو کوستیں؟

اور اماں بی تو ادھار رکھنے کی قائل نہ تھیں۔ جونہی امان گھر میں داخل ہوتا۔ ذرا سی دیر اماں بی کے پاس رک کر ان کا حال دریافت کرتا۔ اور پھر سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھاتا۔ اماں بی اپنی محرومیوں کی مالا پرونے لگتیں۔ ان کی زبان کی نوک دار سوئی کبھی تو امان کے احساسات کو زخمی کرتی اور کبھی باسمہ کے کلیجے کے آر پار ہو جاتی۔ ادھر جھروکے میں کھڑی باسمہ... کلیجہ مسوس کر رہ جاتی۔ مگر پھر وہ مصلحت کے برش سے اپنی پیشانی کی ساری شکنیں صاف کر لیتی۔ اسے ہر حال میں امان کا سواگت پھولوں اور کلیوں کی صورت میں کرنا ہوتا۔ اسے معلوم تھا' وہ جس قدر اپنی محبت کا کنواں گہرا کرتی جائے گی۔ اتنا ہی امان اس کے اندر

اترتا چلا جائے گا۔ محبتوں کو نت نئی ادا عطا کرنے سے عشق مضبوط ہوتا ہے۔ شوہر کو عاشق بنانا ہو تو بوٹی بوٹی اس کے قدموں تلے بچھا دیتے ہیں۔

اور اس کی بانہوں میں پہنچ کر امان سوچا کرتا۔ پتا نہیں باسمہ کیا ہے؟ کس مٹی سے بنی ہے؟

کئی بار اس نے باسمہ کو الفاظ میں مجسم کرنا چاہا۔ مگر اس کے پیکر کے سامنے الفاظ کے پیر بن اتر گئے۔ وہ پہلے دن کی طرح آج بھی شاداب تھی۔ بھرپور تھی۔ مسرور تھی۔ کھلی پڑتی تھی۔ مگر مرجھاتی نہ تھی۔ مرجھائی ہوئی عورت سے مرد نفرت کرتا ہے۔ مرد کو گلاب کی طرح تر و تازہ عورت بھاتی ہے۔ ٹوٹی ہوئی مسلی ہوئی شاخ سے گری ہوئی۔ بیمار عورت مرد کو اچھی نہیں لگتی۔

پتا نہیں باسمہ کون سا آب حیات پیتی تھی۔ ابھی تک ویسی ہی تھی۔

اسے نہ تو زندگی سے گلہ تھا نہ زندگی کی محرومیوں سے اس کی آنکھوں میں امان ہی امان تھا۔ اور جیسے اسے امان کا نشہ وہ آتشہ کیے دے رہا تھا۔

اس روز ہفتہ تھا اور امان کو دفتر میں دیر ہو گئی تھی۔ وہ باہر نکلا تو سڑک پر اندھیرا اور موٹروں کی بتیاں ایک ساتھ اتر آئی تھیں۔ وہ باسمہ کے بارے میں سوچنے لگا۔

ہفتہ کی شام باسمہ اس کا عجیب انداز میں سواگت کرتی تھی۔ باسمہ کا یہ انداز امان کو بڑا اچھا لگتا تھا۔ اور اس انداز پر وہ ساری رات فدا ہونے کو تیار رہتا تھا۔

اور پھر اگلے دن اتوار ہوتی' وہ دیر سے اٹھتے۔ سارا دن اور سارے لمحے اپنے ہوتے۔

وہ بستر پر پڑا پڑا حکم چلایا کرتا اور باسمہ زر خرید لونڈی بنی ادھر ادھر بھاگ کر اس کا حکم بجا لاتی۔ اگر اس روز اس کا کوئی قریبی دوست آ جاتا تو وہ اسے بھی وہیں اپنے بیڈ روم میں بلا لیتا۔ پورا چھٹی کا دن اس طرح گزرتا کہ وہ اگلے سارے ہفتے کے لیے تازہ دم ہو جاتا۔ اور یہی چھٹی کا مقصد بھی ہوتا ہے۔

اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اسے ہفتہ کو ہی دفتر میں دیر ہو جاتی تھی۔ شاید وہ سارا ہفتہ سستی کر کے کام ادھورا چھوڑ جاتا تھا۔ جسے ہفتہ کو ہر صورت مکمل کر کے جانا ضروری ہوتا تھا۔ آج بھی وہ کام کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ سر میں ہلکا ہلکا درد محسوس ہو رہا تھا' گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے سگریٹ سلگایا۔ ایک کش لگا کے دھواں چھوڑا۔ دھواں اس کے چہرے کے آگے پھیل گیا اور یک بیک اسے باسمہ کی خوشبو آنے لگی۔ تھکاوٹ میں اسے باسمہ کی اشد ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس کی انگلیوں کے پوروں میں شاید طلسماتی عناصر لگے ہوئے تھے کہ دھیرے دھیرے مدہوش کر دیتی تھیں۔

رات۔۔۔ کلیاں۔۔۔ اور چاندنی۔

بس یہی باسمہ کی تعریف تھی مختصر مختصر۔

وہ زیر لب مسکرایا۔

باسمہ رات تھی۔

پراسرار رات۔۔۔ پُر فریب نشہ آور۔۔۔ اور مستی سے بھری ہوئی۔

آدمی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے' رات کے جادو سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ بالآخر اپنا آپ اس کے حوالے کر دیتا ہے۔

کلیاں۔۔۔

کلیاں منہ بند ہوں تو بھی خوبصورت لگتی ہیں' کھل جائیں تو اور دل کش ہوتی جاتی ہیں۔ ان کلیوں کا کیا کہنا ہے' جو ایک درمیانی اسٹیج پر آ کر رک جاتی ہیں۔ تھوڑا سا کھل کر یوں ساکت ہو جاتی ہیں جیسے کسی حسینہ نے ہنستے ہی دوپٹے کا آنچل دانتوں میں دبا لیا ہو۔ باسمہ اسی درمیانی اسٹیج پر آ کر رک گئی تھی۔ نہ جانے امان کو ہمیشہ یوں کیوں لگتا تھا کہ باسمہ پوری طرح کھلی نہیں ہے۔ نہ وہ کلی ہے۔ نہ پھول ہے۔ درمیان میں کھڑی کھڑی آفت بن گئی ہے۔ اور اس پر سے سات' آٹھ سال گزر گئے تھے۔ کلیوں کی طرح دھیرے دھیرے مہکتی رہتی۔ پھولوں کی طرح خوش رنگ نظر آتی رہتی۔ حالانکہ اب تک اسے پتی پتی ہو کر بکھر جانا تھا۔ بلکہ ان پتیوں کو بھی۔۔۔ پلنگ کی پائنتی تلے پامال شدہ راکھ میں مل جانا چاہیے تھا۔ آخر عورت کو خاک ہونے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے؟

چاندنی۔۔۔!

ایک کشادہ مسکراہٹ امان کے لبوں پر پھیل گئی۔ باسمہ کو دیکھ کر بے اختیار چاندنی کا خیال آتا تھا۔ جہاں باسمہ ہوتی وہاں چاند ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتا۔ جانے اس کے ارد گرد اتنا اجالا کیوں ہوتا؟ اس کی ذات کا اجالا تھا۔ یا اس کی محبت کی روشنی۔ امان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اس مثال کو کس طرح واضح کرے؟ اور کیوں وہ باسمہ کو چاندنی سے ہم آہنگ کر رہا ہے۔

مگر وہ جانتا تھا۔ وہ اس وقت کیا سوچ رہا ہے۔ اندھیرے اُجالے میں جو عورت ایک جیسی محسوس ہو' اسے چاندنی تو کہا جا سکتا ہے نا؟ فرق صرف یہ ہے کہ آپ چاندنی کو چھو کر نہیں دیکھ سکتے مگر اس عورت کو رگ جاں کے قریب محسوس کر سکتے ہیں۔

"جنون بھی ہے۔"

امان نے سگریٹ کا آخری ٹکڑا شیشہ کھول کر پھینکا اور سوچا۔

وہ جنون ہے۔ الکوحل ہے۔ چرس ہے۔ نشے کی طرح لگ گئی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے' کوئی شوہر اپنی بیوی کے بارے میں ایسا سوچے۔ اور وہ بھی شادی کے آٹھ سال بعد۔

جبکہ اس نے بچے کی صورت تک نہیں دیکھی۔

گاڑی گھر کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اس نے اسے گیراج میں بند کیا۔ وہ جانتا تھا۔ باسمہ نے اس کے اوپر آنے کا حساب رکھا ہوتا ہے۔ پچھلے موڑ سے جب وہ ہارن دینے لگتا ہے تو وہ اندازوں سے کھیلنے لگتی ہے۔

اب وہاں ہوں گے۔ اب یہاں ہوں گے۔ اب گیٹ کے اندر آئے ہوں گے۔ اب گاڑی کو گیراج میں بند کر کے اوپر آ رہے ہوں گے۔

اور اسی حساب سے وہ ہمیشہ پہلی سیڑھی پر مل جایا کرتی۔ اماں بی کو چاند چکور کا یہ ملاپ پسند نہیں تھا' اس لیے وہ کئی بار حائل ہو جاتیں اور جتنی دیر بھی ممکن ہو سکتا امان کو اوپر جانے سے روکے رکھتیں۔ وہ اگر

www.pkdigest.com

ماہنامہ کرن

نومبر 2009 کے شمارہ کی ایک جھلک

☆ گلوکارہ "نور الحسن عینی" سے شاہین رشید کی ملاقات،

☆ ایف ایم 101 "صائمہ ظفر" دو کے پہاڑے کے ساتھ،

☆ معروف پریزینٹر "بینا رضوی" کے پیا کے گھر کی باتیں،

☆ "ماں جی"،

☆ "بساط دل" آمنہ ریاض کا سلسلے وار ناول،

☆ "خواب، خواہش اور زندگی" رابعہ رزاق کا سلسلے وار ناول،

☆ "زخم کو ضد تھی مسیحائی سے" فوزیہ یاسمین کا دلچسپ طویل ناول،

☆ نایاب جیلانی اور لبنیٰ جدون کے مکمل ناول،

☆ "کیسی لاگی یاری" سائرہ عارف کا ناولٹ دلچسپ موڑ پر،

☆ "محبت زاد راہ ہے" سعدیہ عزیز آفریدی کا ناولٹ دلچسپ موڑ پر،

☆ عقیلہ محمد بیگ، شاہدہ ملک، رخسانہ نگار عدنان اور سیما بنت عاصم کے افسانے اور مستقل دلچسپ سلسلے،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

"کرن پکوان"

اٹھ کر چل دیتا۔ تو اماں بی پیچھے پیچھے لپکتی جاتیں۔۔۔ پھر وہ پہلی سیڑھی پر پہلا قدم رکھ کے خود ہی رک جاتا کہ مبادا اماں بی اوپر تک چلی آئیں اور ان ریشمی بانہوں کے حلقہ ہار بننے سے پہلے مخمل کے اندر چلے جائیں۔

"آج تو بڑی دیر لگا دی بیٹا؟"

اماں بی ہر روز اسی سوال سے ابتدا کرتی تھیں۔ یہی سوال اگر اس کی بیوی پوچھتی تو وہ اسے پھاڑ کھاتا۔ مگر اماں بی کو ہر روز بڑے سکون سے ایک ہی جیسا جواب مل جاتا۔

"بس اماں! آج دفتر میں کام کچھ زیادہ تھا۔"

حالانکہ جب دیر نہیں ہوئی تھی' تب بھی اماں بی یہی سوال کرتیں۔۔۔ چند لایعنی سوالوں کے جواب دے کر وہ اوپر کو بھاگتا۔۔۔ بے تابی اس کے ہر قدم سے ظاہر ہوتی۔

باسمہ جانتی تھی جب ماں' بیوی بن کر ناموزوں سوالات کر رہی ہو تو اس وقت بیوی کو سراپا ماں بن جانا چاہیے۔ یوں آغوش وا کرنی چاہیے جیسے کہہ رہی ہو۔

"تم آگئے ہو۔ تو قرار آگیا ہے۔۔۔ بہار آگئی ہے۔"

بس اس کے سواگت کی ہر ادا میں یہی فقرہ رچا ہوتا۔۔۔ اسی لیے تو وہ اوپر جانے کے لیے بے قرار نظر آتا۔ اور بی اماں اس کے اس انداز پر دل فگار رہتیں۔۔۔ ان کا خیال تھا بہو نے ان کے لال پر ٹونے ٹوٹکے کر دیے ہیں۔

آج بھی جب وہ جلدی جلدی سیڑھیوں کا صحرا پار کر کے اپنی پیاس بجھانا چاہتا تھا' اماں بی درمیان میں آگئیں۔۔۔ بے موقع ہی بولیں۔

"کیسا اداس اداس اور دکھی لگ رہا ہے۔۔۔ تیری اجاڑ زندگی نے تجھے روگی بنا دیا ہے۔"

"کیوں اماں بی۔۔۔ خدانخواستہ میری زندگی کو کیا ہوا ہے؟" امان نے ہنس کر کہا۔ "میں تو بہت مطمئن اور خوش و خرم رہتا ہوں۔"

"خاک۔۔۔ ذرا اپنا چہرا دیکھو۔۔۔ محرومیاں' بن جھروکوں کے جھانک رہی ہیں۔ ہائے بچے کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے۔ نو سال میں تو ایک مرجھایا ہوا درخت بن گیا ہے۔ بچوں سے تو زندگی میں ہر روز بہار آتی ہے۔"

"اماں بی۔۔۔" امان زور سے ہنسنے لگا۔ جیسے ماں کا مذاق اڑا رہا ہو۔ "دنیا میں ہزاروں لوگ ہیں جن کے بچے نہیں ہیں۔ تو کیا وہ زندہ نہیں ہیں؟"

"مگر بیٹا! تجھ میں اور ان میں بہت فرق ہے۔ تو نے تو اپنے آپ کو خود زندہ درگور کر لیا ہے۔"

"کیوں اماں بی۔۔۔ کیسے بھلا؟"

"ایک بانجھ عورت کے ساتھ نباہ کرنا' زندہ درگور ہونا ہے۔ اسے لاش کے پاس کتنے ہی تروتازہ پھول رکھ دو۔ مرجھا جاتے ہیں' مر جاتے ہیں۔"

"اماں بی۔۔۔ اماں بی۔۔۔" امان کے لہجے میں تناؤ تھا۔ "یہ سب اللہ کے فیصلے ہیں۔ اس کے کاموں میں دخل اندازی اسے پسند نہیں۔۔۔ اور مجھے تو ذرا بھی ملال نہیں۔"

"ائے ملال کیوں نہیں۔۔۔ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے۔"

امان چپ کر کے اوپر چڑھنے لگا۔۔۔ اب کچھ کہنا فضول تھا۔ وہ خوشی کا مزید اظہار کر کے ایک اور مصیبت مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ غنیمت کہ اس کی ماں اسے دکھی سمجھ رہی تھی۔

"تو آک ذرا۔۔۔ اشارہ تو کر۔" وہ سیڑھیاں چڑھتے امان کو دیکھ کر بولیں۔۔۔ "اچھی سے اچھی نہیں لے آؤں۔ دنیا میں کیا لڑکیوں کا کال پڑا ہے۔ جس پر ہاتھ رکھ دے وہی لے آؤں۔ اس گھر میں' میں بچوں کی آوازوں کو ترس گئی ہوں۔ یہ گھر نہیں مرگھٹ لگتا ہے۔"

"تو پھر اللہ سے دعا کریں اماں بی۔" امان نے تلخی سے کہا۔

"دعا کر کے تو زبان گھس گئی ہے۔"

"اماں بی' دعاؤں سے زبان گھستی نہیں' مقدس اور پر تاثیر ہوتی ہے۔ صرف کوسنوں سے زبان گھستی ہے۔"

"ہائے مرجاؤں میں۔" بی اماں نے سینے پر دوہتڑ

مارا۔ اس ڈائن نے میرا لال بدل کر رکھ دیا ہے۔ ماں سے کیسی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہا ہے۔"

امان پھر خجالت سے ہنسنے لگا۔

"اماں بی! اب آپ ان فضول باتوں میں اپنا وقت نہ ضائع کیا کریں۔ زیادہ وقت اللہ اللہ کرنے میں گزارا کریں۔ دنیا داری اور اس کے بکھیڑوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔"

"سیدھے سیدھے کیوں نہیں کہتا کہ اب مجھے مر جانا چاہیے۔ ایک کونے میں بیٹھ کر موت کا انتظار کرنا چاہیے۔ میں اب جی کیوں رہی ہوں۔"

اماں نے روایتی انداز میں رونا شروع کر دیا۔

اس ڈرامے کا یہی کلائمکس ہوتا تھا۔ سیڑھی کے قریب سایہ بن کے کھڑی باسمہ فوراً" پیچھے ہٹ گئی۔ اب رونے کا رخ اس کی طرف ہونے کو تھا۔ جب کوسنوں کا مینہ برستا تھا تو زیادہ تر بوچھاڑ باسمہ کی سمت ہی آتی تھی۔

"اماں بی۔" امان پھر رک گیا۔ نیچے اتر گیا۔ ماں کو چپ کرایا۔ پیار سے چمکارا اور بولا۔ "معاف کر دیں۔ اگر مجھ سے کوئی غلط بات نکل گئی ہو تو۔ آپ بھی تو دفتر سے آتے ہی پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ کبھی تو کوئی اور بات بھی کر لیا کریں۔"

وہ روتے روتے جیسے غش کی حالت میں بولیں۔

"فہمیدہ اب بھی تیرے انتظار میں بیٹھی ہے۔ اگر ذرا سی ہاں کہہ دے تو۔"

"اماں بی۔ آپ کب سمجھیں گی کہ باسمہ کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ میں اس بے آسرا کو کیوں چھوڑ دوں۔ کیا خبر میری قسمت میں بچے ہی نہ ہوں۔"

"کیسی فال بدمنہ سے نکالتا ہے۔ بدقسمت تو میں ہوں۔ جوانی میں بیوگی دیکھی۔ اور بڑھاپے میں اپنے بچے کی نامرادی دیکھ رہی ہوں۔"

"اچھا میں چلتا ہوں۔" بالآخر امان نے کہا۔

اماں بی ان سنی کرتے ہوئے بولیں۔

"مجھے ڈاکٹر نے سب بتا دیا ہے۔ باسمہ کی گود کبھی ہری نہیں ہو سکتی۔ یہ تو پیدائشی بیراگن ہے۔ میرے بیٹے کو کھا گئی ڈائن۔"

امان تیز تیز اوپر چڑھنے لگا۔ اماں بی کی آواز اتنی ہی تیزی سے اس کا پیچھا کرنے لگی۔

"میں نے عصمت کو لکھ دیا ہے کہ فہمیدہ کو چند دنوں کے لیے ہمارے ہاں بھیج دے۔۔۔ ہاں۔"

☼ ☼ ☼

رات کو جب سونے کا وقت آیا تو باسمہ نے اپنی معطر انگلیاں اس کے بالوں میں چلاتے ہوئے کہا۔

"تو فہمیدہ بیگم آ رہی ہیں اس گھر میں؟"

"تم اماں کی باتوں کا برا نہ مانا کرو۔"

"میں نو سال سے سن رہی ہوں یہ باتیں' کیوں برا مانوں گی۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی' آخر اماں کوئی نہ کوئی محاذ کھول کر ہی دم لیں گی۔"

"پتا نہیں عورتیں اتنی بدگمان کیوں ہوتی ہیں؟"

"مرد جو بے ایمان ہوتے ہیں۔"

"تو الو کی پٹھی ہے۔۔۔ تو مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔"

"جانتی ہوں۔" باسمہ ہنسنے لگی۔ امان کے پیار کا یہی انداز تھا۔ وہ ہمیشہ اظہار محبت گالی گلوچ اور تشدد سے کیا کرتا تھا۔

"مگر اس کو نہیں جانتی جو آ رہی ہے۔"

"دیکھ باسمہ! خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ مجھے تیرے ساتھ رہتے ہوئے کبھی احساس محرومی نہیں ہوا۔ بچہ دینا تو خیر خدا کے اختیار میں ہے' مگر جو کچھ کوئی عورت کسی مرد کو دے سکتی ہے' وہ تو مجھے دے رہی ہے اور تیرے سوا کوئی عورت بھی مجھے خوش نہیں رکھ سکتی۔"

"خیر اتنی بڑی بات نہ کہو۔ ہاں' مجھے اگر کسی روز اپنی کسی بات سے یہ کہہ دو گے کہ میں تم سے اکتا گیا ہوں' چلی جاؤ۔۔۔ تو میں چلی جاؤں گی۔"

"سچ مچ۔۔۔ کھاؤ میرے سر کی قسم۔" امان نے شرارت سے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

"تو اپنے سر کی قسم کھاتی ہوں۔" باسمہ نے اس

www.pkdigest.com

کے بالوں میں سے ہاتھ نکال کر اپنے سر پر رکھا۔
"یار تو بڑی پیاری چیز ہے۔" امان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں پر رکھ لیا۔ "اگر دنیا میں ہر شخص کو ایسی بیوی مل جائے تو کیا ہو۔"
"یہ دنیا مردوں کی جنت بن جائے۔"
اس پر امان بے تحاشا ہنسنے لگا۔ پھر اس کی سمت کروٹ بدل کر بولا۔
"مجھے معلوم ہے تیری جنت میری بانہوں میں ہے۔"
"اور میں جانتی ہوں میری بانہیں بڑی کمزور ہیں۔"
"اری تو کیا جانے تیری بانہیں کیسی ہیں؟ بتادوں تو بانس پر چڑھ جائے گی۔ وہ بانہیں کبھی کمزور نہیں ہوتیں جن کے حلقے میں ایک اچھا خاصا مرد بچہ بن جاتا ہے۔ اور سارا تحفظ اسے ان ہی بانہوں کے آس پاس ملتا ہے۔"
"امان!" باسمہ نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "محبت کرنے والی عورت تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس کو کوئی دوسرا چھونے والا کبھی پیدا ہی ہو سکتا ہے۔ پھر مرد کس طرح بار بار محبت کر لیتا ہے۔"
"بے وقوف! مرد بھی بار بار محبت نہیں کر سکتا۔ صرف اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔"
"مگر دیکھو نا۔ مرد کتنی آسانی سے دوسری شادی کے بارے میں سوچ لیتا ہے۔"
"کیا عورت نہیں سوچتی؟"
"نہیں۔۔۔ کم از کم میرے جیسی عورت تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ وہ اپنا آپ کسی دوسرے مرد کے حوالے کر دے گی۔ مجھے یوں لگتا ہے' اگر تمہارے علاوہ بھی کسی نے مجھے چھو لیا تو میں مر جاؤں گی۔"
"واہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ مجھے پتا چل گیا' تمہاری موت کس طرح واقع ہو سکتی ہے۔ جب بھی مارنا مقصود ہو گا۔۔۔"
وہ شرارت سے کہہ گیا۔
"ہاں' صرف بے وفائی کرنا' کج ادائی کرنا۔ میں مر جاؤں گی۔"
"بکواس نہ کرو۔ سستے ناول پڑھ کے فضول ڈائیلاگ بول رہی ہے۔ یہ کیا مرنا مرنا لگا رکھا ہے۔ نو سال ہو گئے میرے ساتھ رہتے ہوئے اور ابھی تجھے میرا پتا ہی نہ چلا؟"
پتا نہیں ان نو سالوں نے مجھے وہ تحفظ کیوں نہ دیا۔ وہ دل میں سوچنے لگی' جس سے میرے دل کی فصیل مضبوط ہو جاتی۔۔۔ دل تو ایک ایسا دیا ہے جو سدا تیز و تند آندھیوں کے دہانوں پر پڑا پھڑپھڑاتا رہتا ہے۔
"کیا سوچ رہی ہو؟" امان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"کہہ دوں؟"
"پہلے یوں کرو۔ ایک پیالی گرم گرم کافی بنا کر لاؤ۔ پھر ساری رات باتیں کریں گے۔"
"ٹھیک ہے۔" وہ اٹھ کے بھاگی۔
امان کی عادت تھی' وہ آدھی رات کو اسے ضرور جگاتا تھا۔ پانی بھی پینا ہو تو کہنیاں مار مار کر اسے جگاتا۔ حالانکہ بستر کے پاس پانی کا فلاسک پڑا ہوتا۔ بتی بجھانی ہو۔۔۔ کوئی کتاب ڈھونڈنا ہو۔۔۔ اور تو اور۔۔۔ آدھی آدھی رات کو وہ عجیب و غریب فرمائشیں کرنے لگتا۔
"اس وقت میرا جی پراٹھا اور اچار کھانے کو چاہتا ہے۔"
"خیر تو ہے۔" باسمہ مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھتی۔ "تمہاری طبیعت کے رنگ تو حاملہ عورتوں جیسے ہوتے جا رہے ہیں۔"
"دیکھو بحث نہ کرو۔ ورنہ چلا چلا کر بی اماں کو اٹھا دوں گا۔"
"نہ۔۔۔ نہ۔۔۔" اماں بی کے اٹھانے سے باسمہ بہت ڈرتی تھی۔ اماں بی تک آواز پہنچانا ایسے تھا جیسے جنات کی پوری فوج کو اٹھا دیا ہو۔
رات بھر وہ اسے ستاتا۔۔۔ رات بھر فرمائشیں کرتا' رات بھر وہ ایک ٹانگ پر ناچتی' لاڈلے بچے کی طرح وہ انمول انوکھی فرمائشیں کرتا رہتا۔ اور مامتا کی ماری ماں کی طرح' وہ ہنس ہنس کر ہر فرمائش پوری کرتی رہتی' صبح اسے دفتر بھیج کر وہ جی بھر کے سوئی۔ دس گیارہ بجے

اٹھ کر وہ ہانڈی روٹی کی فکر کرتی۔ تب ہی تو اماں بی ہر آئے گئے سے بلند آواز میں کہتی رہتیں۔
"منحوست کی ماری ہے میری بہو۔ دن چڑھے تک سوتی ہے۔ کبھی اللہ رسولؐ کا نام تو لیا نہیں۔۔۔ ایسوں کو اللہ نامراد ہی رکھتا ہے۔"
باسمہ یہ سب سن کر دل پر جبر کر لیتی۔ اللہ نے اس کو بانجھ ہی پیدا کیا تھا۔ ہر ڈاکٹر نے مختلف انداز میں اس سے یہی کہا تھا۔
"دیکھو بی بی! اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ وہ قدرت والا معجزے تک دکھا دیتا ہے۔ مگر تب۔۔۔ آپ۔۔۔"
اور ایک ہی بات کو بار بار سننے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ اس لیے اب دوا دارو سے بے نیاز ہو کر وہ معجزے کی منتظر رہتی تھی۔
اسی ایک کمزور سی امید پر وہ زندگی کی جوت جگائے بیٹھی تھی۔۔۔ پتا نہیں وہ ان دونوں میں سے کس پر زیادہ بھروسہ کرتی تھی؟ امید موہوم تھی۔ اور شوہر مرد تھا۔ دونوں اعتبار کے قابل نہیں تھے۔ اسے اکثر یوں محسوس ہوتا' وہ ایک کاغذ کی کشتی ہے۔ جو تیز و تند دھارے کے دہانے پر رکھ دی گئی ہے۔ اس کو بس ایک ہی راستہ نجات کا نظر آتا تھا کہ وہ امان کو فقیر کر لے' اسیر کر لے!
اسی جتن میں وہ بوند بوند لہو جمع کر کے محبت کا چراغ جلائے بیٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس روز وہ بہت عرصے بعد ابا کی خبر لینے گئی تھی اور ان کی دگرگوں حالت کو دیکھ کر رات کو وہیں رک گئی تھی۔ ورنہ امان تو کبھی رات کو وہاں رہنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ چاہے رات کے بارہ بجے لے کر آئے۔ ساتھ ہی لے آتا تھا۔ وہ کہتا تھا اپنے بیڈ روم میں وہ باسمہ کے بغیر ایک رات بھی نہیں رہ سکتا۔
آج تو وہ خود بھی نہ رہنا چاہتی تھی' کیونکہ پچھلے ایک ہفتے سے گھر میں فہمیدہ آئی ہوئی تھی۔ اور اماں بی تسبیح ہاتھ میں لیے اپنا پرانا منتر پھونکنے کے منصوبے باندھا کرتی تھیں۔ لیکن آج ہی ابا جی پر فالج کا دوسرا حملہ ہوا تھا۔ ان کا دم آنکھوں میں آ کر اٹک گیا تھا اور گھر میں نوکر کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اس لیے امان خود ہی اسے چھوڑ کر آ گیا تھا۔ واپس آیا تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ باسمہ نے بہت سمجھا کے بھیجا تھا کہ فریج میں کھانا رکھا ہے۔ اور روٹیاں پکا کے اس نے اوون میں رکھ دی تھیں۔ ضرور کھا لینا۔ لیکن اس کا کھانے کو دل نہیں چاہا۔ کبھی یہ کام اپنے ہاتھ سے کیا جو نہیں تھا۔ یونہی لیٹ کر ورق گردانی کرنے لگا۔ ساتھ والے تکیے پر ہاتھ رکھا تو باسمہ کے بالوں کی مہک اڑی۔ تب اسے اس کے گالوں کی تپش یاد آ گئی۔ اس نے چونک کر دیکھا تو تکیے پر باسمہ کا ایک بال بھی چمٹا ہوا تھا۔ اس نے اپنی انگلیوں میں بال کو اٹھا کر دیکھا۔ کیا ایک بال کے سہارے رات گزر سکتی ہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے میں آہٹ ہوئی' نظر اٹھا کر دیکھا تو فہمیدہ کھانے کی ٹرے اٹھائے چلی آ رہی تھی۔
"اماں بی مچان لگائے بیٹھی رہتی ہیں۔" اس نے دل میں سوچا۔ "انہیں شیر کے شکار کا شوق ہے شاید۔۔۔؟"
"کیا بات ہے فہمیدہ؟" وہ خوف کے مارے اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"جی۔۔۔ جی۔۔۔ خالہ بی نے آپ کے لیے کھانا بھیجا ہے۔"
"مگر میں تو کھانا کھا کے آیا ہوں۔" امان نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا۔
"اچھا۔" وہ زرد ہو گئی۔ "مجھے معلوم نہیں تھا۔"
"کوئی بات نہیں۔" امان نرمی سے بولا۔ "ویسے تم یہ ٹرے اندر باورچی خانے میں رکھ دو۔ صبح اٹھ کر کھا لوں گا۔ اور بی اماں سے کہہ دینا' وہ میری فکر بالکل نہ کریں۔ اوپر کچھ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صبح چائے پینے کے لیے خود نیچے آ جاؤں گا۔"
وہ ٹرے اٹھائے باورچی خانے میں آ گئی۔ اندر ٹرے رکھ دی اور پھر انگلی پر دوپٹہ لپیٹتے ہوئے واپس آ گئی۔

www.Pkdigest.com

باہر جاتے جاتے ایک دم پلنگ کی پائنتی کی طرف بیٹھ گئی۔

"ارے یہ کیا کررہی ہو؟"

"میں آپ کے پاؤں دبادوں؟"

"میں کوئی کھیتی باڑی کرکے آیا ہوں۔ موٹر میں ہی تو بیٹھ کر آیا ہوں۔"

"موٹر چلانے سے بھی ایک پیر تو دکھنے لگتا ہے۔"

(سبق اماں کی ہدایات پر عمل ہو رہا ہے۔)

اس نے بڑے غور سے فہمیدہ کی جانب دیکھا۔ وہ بڑے بچاؤ سے بستر کی پائنتی پر بیٹھی تھی۔ اس کی عمر کوئی بائیس، تیئیس برس کی ہوگی۔ یہ اماں بی کی دوسری لاڈلی بھانجی تھی۔ پہلی بھانجی رشیدہ تھی جس کو انہوں نے بچپن میں مانگ لیا تھا مگر باسمہ نے امان کو اسیر کرکے یہ مانگ توڑ دی تھی۔ پھر اس کی شادی ہوگئی۔ اب اماں بی نے اپنی ساری امیدیں فہمیدہ پر مرکوز کردی تھیں۔ ان کے لیے بارہ، تیرہ برس کا فرق کوئی فرق نہ تھا۔

امان جب اسے غور سے دیکھ رہا تھا تو اس کی چھوٹی چپٹی ناک پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر رہی تھیں۔ اس وقت امان کو احساس ہوا کہ جوان لڑکی کو غور سے دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ فہمیدہ بوٹے سے قد کی لڑکی تھی۔ جسے بہت چھوٹا قد کہتے ہیں۔ قد کی مناسبت سے اس کا جسم فربہ تھا۔ گداز اور بھرا بھرا۔ رنگ سانولا تھا۔ آنکھیں موٹی اور چمکیلی چمکیلی تھیں جن میں اس نے بھر بھر سلائیاں سرمے کی ڈال رکھی تھیں۔ سرمہ تھا کہ چھلک رہا تھا اور رنگ تھا کہ دمک رہا تھا۔

اس کے چہرے پر اس وقت وہ ملاحت تھی جو جوانی کا خاصا ہوتی ہے۔ اور نقش و نگار سے ماورا ہوتی ہے۔ وہ اس کا باسمہ سے مقابلہ کرنے لگا۔ باسمہ اب بھی اس کے مقابلے میں بے انتہا حسین تھی۔ اس کے باوجود امان نے فہمیدہ کو وہاں سے اٹھنے کے لیے نہ کہا۔

یکایک فہمیدہ نے ہاتھ بڑھا کر امان کے پاؤں کو چھو لیا۔

(یہ ہدایت نمبر 2 تھی شاید۔)

امان کو ایسے لگا جیسے بجلی نے چھو لیا ہو۔ اس کے گرم گرم گیلے ہاتھ۔ بچوں کے ہاتھوں کی طرح عجیب لگے تھے۔ اچھے بھی اور گدگدی کرنے والے بھی۔

امان نے جھٹ اپنا پاؤں اٹھالیا اور بولا۔

"کیا کرتی ہو؟"

"اللہ آپ ہمیں دبانے دیں نا۔"

نئی نئی طوائف زادی کی طرح فہمیدہ نے اٹھلا کر کہا۔

"دیکھو، تم اس وقت اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔"

امان اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟" اس نے اپنی کاجل بھری نظریں اٹھا کر امان کی آنکھوں میں جھانکا۔ "کہ مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں۔ میں جب سے آئی ہوں۔ میری طرف دیکھتے بھی نہیں۔ کیا میں اتنی بری ہوں۔"

(یہ ہدایت نمبر 3 تھی شاید۔)

امان احساس کا جنگل پھلانگ کر نکل جانا چاہتا تھا، مگر خاردار تاروں میں الجھ گیا۔

کم بخت کی آنکھیں کتنی کالی تھیں۔ اماوس کی رات کی طرح۔ کالی کالی۔ اور ہوحق بولتی۔ رات کے پچھلے پہر آنکھوں کا کاجل رات کے اندھیرے سے جاملتا ہے۔ امان نے اپنے دل میں ایک لہری محسوس کی۔ کسی نوجوان لڑکی سے شادی کے نو سال بعد یوں ملاقات کرنا عجیب لذت دیتا ہے۔ جس طرح ہر روز سگریٹ پینے والا آدمی ایک روز ولایتی سگار کا کش لے لے۔ کڑوا، سخت مگر پر لطف۔

ایک دو کش لے لینے سے سگار کی عادت نہیں پڑتی۔ پھر بھی وہ اچھے شوہروں کی طرح ایک دم کھڑا ہوگیا۔ اور بولا۔

"آؤ میں تمہیں نیچے چھوڑ آؤں۔ اچھی بچیاں ایسی باتیں نہیں کرتیں۔"

(ہوں تو اچھی بچیاں رات کی چپ ندی میں کنکر پھینک کر ہلچل مچا سکتی ہیں۔)

جانے اس نے "اچھی بچی" والی اصطلاح کس خوف سے استعمال کی تھی۔ مگر اس "اچھی بچی" کا ہاتھ پکڑتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ معلوم تھا، ہتھیلی میں گرم عورت ہوگی۔ اچھی بچی تو کب کی رخصت ہو چکی۔

گیا تو نیچے چھوڑنے تھا اس کو۔ مگر اپنی نیت نیچے چھوڑ آیا۔ واپس آیا تو باسمہ کی طلب کچھ اور بھی بڑھ چکی تھی۔ جلدی سے دروازہ بند کرکے اس نے کنڈی لگائی۔ گویا وہ چغل خور ہے اور در در پہ جاکے اس کی نیت کا ڈھنڈورا پیٹتی پھرے گی۔

کمال ہے۔ اس نے اپنے دل میں پہلی مرتبہ ایک مبہم سا خطرہ محسوس کیا۔ انسان کا نفس بڑا کمزور کیڑا ہے۔ دنیا میں کوئی شے اتنی کمزور اور بے اعتبار نہیں جتنا کم بخت نفس ہوتا ہے۔

صبح تیار ہوکے نیچے گیا تو فہمیدہ ناشتہ تیار کرکے میز کے پاس کھڑی تھی، جانے اتنی صبح وہ کیسے تیار ہوگئی تھی۔ وہی دھلا دھلایا صبیح چہرہ اور کاجل کے حصاروں میں چمکیلی کالی کالی آنکھیں۔۔۔ چھوٹے سے سراپا پر چمکتا ہوا شلوار سوٹ۔ امان آکر بیٹھا تو اس طرح ناشتہ کرانے لگی جیسے جنم جنم سے اسے جانتی ہو۔ اور۔۔۔

تو یہ بھی اماں بی کی کارستانی ہے۔

ناشتہ کرتے کرتے اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اپنے دونوں سانولے سلونے ہاتھ گود میں رکھے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ امان کی نظر اس کے ہاتھوں پر اٹک گئی۔ کوئی خاص بات نہیں تھی ان ہاتھوں میں۔ انگلیاں بھدی اور پوریں موٹی تھیں۔ ٹیڑھے میڑھے ناخنوں پر گہری عنابی نیل پالش لگی تھی، مگر وہ ہاتھ انگاروں کی مانند دہک رہے تھے۔

امان کا دل چاہا چھو کر دیکھے۔

اس نے گھبرا کر نظریں فہمیدہ کے چہرے پر ڈالیں۔ قریب بیٹھنے سے شاید اس کی گول مول ناک پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔ سرمئی گردن کے تلے جہاں دوپٹہ ابھاروں کو ڈھانپے ہوئے ہل رہا تھا۔ دل کے اندر ایک حشر سا بپا تھا۔ جانے وہ حشر امان کیوں محسوس کر بیٹھا؟

امان کھڑا ہوگیا۔ منہ پونچھا۔

خدا حافظ کہنے باہر تک آئی۔

"تو میاں۔۔۔ آج تک ایک معمولی سی لڑکی سے خوف کھا بیٹھے ہو۔۔۔ ڈر رہے ہو۔۔۔"

ڈر کس بات کا ہے؟

امان نے جھک کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہر انسان اپنی بربادی کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔

اتنی سی بات یاد رکھنا۔

☆ ☆ ☆

دفتر سے سیدھا باسمہ کو لینے چلا گیا۔ مگر وہ تو اباجی کو لے کر اسپتال چلی گئی تھی۔ ان کی زبان بند ہوگئی تھی۔ جسم کا ایک حصہ ناکارہ ہوگیا تھا۔ حالت سنورنے کے بجائے بگڑ رہی تھی۔ ڈاکٹروں کی ہدایت پر انہیں اسپتال لے جانا پڑا۔

اسپتال میں کوئی کتنا ہی پیارا کیوں نہ ہو۔ زیادہ دیر نہیں بیٹھا جاسکتا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ دوستوں کے ساتھ آوارگی کرتا رہا۔ کھونٹے سے بندھے بندھے نو سال ہوگئے تھے۔ اس لیے آوارگی بھی کچھ مزہ نہیں دے رہی تھی۔ نو سال بعد بازاروں، ریستورانوں اور سنیماؤں کی طرف آیا۔ تو یوں لگا، زمانہ بدل گیا ہے، خوش فکروں کی کمی نہیں، زمانہ کتنا تیز رفتار ہے۔ رک جانے والوں کا انتظار نہیں کرتا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ زمانے سے پیچھے رہ گیا ہے۔ گھر جانا چاہتا تھا۔ مگر گھر جانے کے خیال سے ہی ڈر لگ رہا تھا۔

پھر بھی جب رات کے بارہ بجے وہ ڈرتے ڈرتے گھر میں داخل ہوا۔ تو وہ کالی کالی آنکھیں بجلی کی سی تیزی لیے اس کی طرف بڑھیں۔

جانے کیوں وہ جانتی تھی کہ آج بھی امان اکیلا آئے گا۔

"آج بھی آپ کھانا کھا آئے ہیں یا کھائیں گے؟"

"کھاؤں گا۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔

www.pkdigest.com

"آجایئے بھی۔" وہ جادو کے زور سے اس کے پیچھے باورچی خانے کی طرف کھنچتا چلا گیا۔

بی اماں نے اپنے کمرے سے نکل کر اس طرح جھانکا جیسے حملہ کرنے سے پہلے دانا جرنیل محاذ کا جائزہ لیتا ہے اور پھر تسلی کرکے اندر چلی گئیں۔

"دمشیاں! اندھے ہو کے نہ چلو۔ یہ تمہاری ڈگر نہیں ہے۔"

"خالہ بی نے بتایا تھا' آپ گوشت میں بریاں بہت پسند کرتے ہیں۔ آج میں نے اپنے ہاتھوں سے پکائی ہیں۔"

بے اختیار اس نے فہمیدہ کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ بھرے سانولے ہاتھ۔ گہری نیل پالش۔ کوئی دل کشی نہ تھی ان ہاتھوں میں، مگر انگارہ کیوں لگ رہے تھے۔

اماں بی کی ساری ہدایات سامنے آرہی تھیں' اور بھرے بھرے ہاتھوں سے پوری کی پوری عورت جھانک رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"عورت ایک تنہا جزیرہ ہوتی ہے جسے "دریافت" کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دریافت کے بعد پتا چل جاتا ہے کہ عورتیں سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ مگر دریافت کرنے کا عمل کس قدر خوبصورت ہے۔ ہر نوجوان لڑکی گمنام جزیرے کی طرح خوابناک' اچھوتی' پُراسرار اور انجانی بن کر آتی ہے۔ اور چاہتی ہے' مرد اپنی دیوانگی کا کولمبس بن جائے۔

اور دیوانہ وار اسے کھوجے۔ تلاش کرے۔ فطرت کے پردے اٹھائے۔

لباس کی طرح عورت کے سب رنگ نرالے ہوتے ہیں۔ اور جانے یہ لڑکیاں ان دیکھے جزیرے بن کر مردوں کے اردگرد کیوں منڈلاتی ہیں؟

ذرا سی دیر کو باسمہ سائے میں چلی گئی۔ بیوی خواہ کتنی بھی حسین کیوں نہ ہو' جب سائے میں چلی جاتی ہے تو اس کو گرہن لگ جاتا ہے۔

ذرا سی آنکھ مچولی کھیلنے کو کس مرد کا دل نہیں للچاتا؟

اگر عزرائیل کسی جوان عورت کے روپ میں آئے تو مرد نزع کے وقت بھی آنکھ مچولی کھیلنے سے باز نہیں آتا۔

فہمیدہ تو ایک جوان لڑکی تھی۔ تپتے جاتے کبھی آنچل لہرا جاتی۔ کبھی کندھا چھو لیتی۔ کبھی کوئی چیز پکڑاتے ہوئے انگارہ سی انگلیاں چھو دیتی۔

ہدایات ساری اماں بی کی تھیں۔ ورنہ کوئی لڑکی یوں شادی شدہ مرد کے لیے اتنی بے باکی سے جال نہیں بچھاتی۔

باسمہ جب گھر آئی تو تقدیر کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ اسے اسپتال میں پندرہ دن رہنا پڑ گیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اپنے شوہر سے پندرہ دن کے لیے جدا ہوئی تھی۔ اسی لیے تو وہ انگلی پکڑ کر چلنے والا اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں رہ سکا تھا۔ سیانے ٹھیک کہتے ہیں۔ کبھی کبھی شوہر کو مکمل آزادی دے کر کھلا چھوڑ دینا چاہیے۔ کھلے جانور کو اسیر کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ جن کے گلے میں ہمہ وقت ایک رسّی ہو' وہ جانور بہت جلد اسیر کرلیے جاتے ہیں۔

ادھر ابا جی کا دم آنکھوں میں اٹکا تھا۔ اب نکلا کہ تب نکلا۔ شاید ان کا دم نکل جانے سے اتنا دکھ نہ ہوتا۔ جتنا اپنے بھرم کے نکل جانے کا ہوا تھا۔

پندرہ دن؟ ان پندرہ دنوں میں پندرہ مختلف راستے سانپوں کی صورت میں ادھر ادھر سے نکل آئے تھے۔ اور وہ کھڑی تلاش کررہی تھی کہ اس کا اپنا راستہ کون سا تھا۔

لالا بی نے ایک دن تاک کر چاند ماری کی اور نشانہ ٹھیک دائرے کے اندر چلا گیا۔

ہنستی مٹکتی فہمیدہ اٹھ کر چلی گئی' تو اپنے لہجے میں شیرینی سمو کر' ذرا قریب آکے سرگوشی کے انداز میں بولیں۔

"میرے بچے! آج کل تیرے چہرے پر میں ایک خوب صورت سی شگفتگی دیکھ رہی ہوں۔ بانجھ عورت کے ساتھ رہ رہ کر میرا بیٹا مرجھا گیا تھا۔" (زندگی میں پہلی بار اماں کو بانجھ کا لفظ باسمہ کے ساتھ لگا برا نہیں

www.pkdigest.com

لگا ورنہ تو وہ اس لفظ سے بیچ پا ہو جایا کرتا تھا۔)

"سچ ہے' دنیا میں سب سے بڑی خوشی اولاد کی خوشی ہے' مجھے امید ہے اللہ میرے بیٹے کو بہت سے بچے دے گا اور یہ گھر بچوں سے بھرا نظر آئے گا۔"

اس بار بھی امان چپ رہا تو بولتی گئیں۔

"ابھی تو' تو خیر سے جوان ہے۔ اور لڑکی بھی گھر ہی میں ہے۔ کتنی سلیقہ شعار' حلیم اور منکسر المزاج لڑکی ہے۔ دن رات تیری خدمت کرے گی۔ جہاں تو پاؤں رکھو دے وہاں اپنا سر رکھتی ہے۔ بھلا اس زمانے میں کوئی ایسی لڑکی ہے جو سوتن والے گھر میں جانا چاہتی ہے؟"

امان نے اس بات پر حیران ہو کر اماں بی کو دیکھا۔

"ہاں' یہ بات تو بس ہماری فہمیدہ میں ہے۔ باسمہ کے ساتھ مل جل کر رہنے پر تیار ہو گئی ہے۔ اور میں کون سا کہہ رہی ہوں کہ تو باسمہ کو طلاق دے دے۔ اس کو بے آسرا کر کے مجھے کتنا ثواب ملے گا۔ نہ نہ۔ اس بیچاری کا اس میں کیا قصور؟ تو اس کو بھی اپنے ساتھ رکھ۔ اسی گھر میں۔ تم اور باسمہ پہلے کی طرح اوپر والے حصے میں رہنا۔ فہمیدہ میرے ساتھ رہے گی۔ ایک دو بچے ہو جائیں تو ہم ماں بیٹی مطمئن ہو جائیں گے۔ تم ہماری خبر لو نہ لو۔ ہمیں پروا نہ ہوگی۔ ہاں۔ میں تم دونوں کو جدا کرنے کا گناہ کیوں کروں۔ مجھے تو صرف تمہاری اولاد سے غرض ہے۔ اور فہمیدہ بہت بڑی قربانی دینے کو تیار ہو گئی ہے۔ ذرا سوچ کے بتاؤ' آج کل کی لڑکیوں میں اتنی محبت ہے؟ گھر کی لڑکی ہے۔ اس لیے تم اس کی قدر نہیں کر رہے۔"

"اماں بی نے تو یہ مسئلہ خود ہی حل کر دیا ہے۔" امان نے دل میں سوچا۔ "بڑا اچھا بندوبست ہے۔ ذرا "دریافت" کا چکر بھی پورا ہو جائے گا۔ اور باسمہ کا بھی ساتھ رہے گا۔"

"رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔"

امان چپ رہا۔ تو اماں بھی سمجھ گئیں کہ لوہا گرم ہے۔ جدھر چاہوں موڑوں گی۔ اٹھ کر اپنی صندوقچی نکال لائیں۔ اور اپنی ایک پرانی سنبھال کر رکھی ہوئی انگوٹھی نکال کر فہمیدہ کو پہنا دی۔ اسی رات باسمہ گھر آ گئی۔

فہمیدہ کی پُراسرار مسکراہٹ اور سیدھے ہاتھ کی دوسری انگلی میں چمکتی ہوئی پرانے طرز کی انگوٹھی اسرار کے سب پردے اٹھانے لگی۔

بہت ذہین تھی۔ نو سال سے زندگی کے نشیب و فراز دیکھ رہی تھی۔ لاشعوری طور پر ہمیشہ ایک خطرہ محسوس کیا کرتی تھی۔ خطرے کی موجودگی سونگھ چکی تھی۔

رات جب وہ اپنے کمرے میں آئی تو کمرے کا حلیہ ہی بدلا ہوا تھا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں فہمیدہ کمرہ سنوارتی رہی ہے۔ یہ بات تعجب کی نہیں تھی۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ امان نے یہ ساری تبدیلی پسند کر لی تھی۔ ہر شے اپنی جگہ سے ہلا دی گئی تھی۔ حتیٰ کہ بستر کے تکیے بھی اپنی جگہ پر نہیں تھے۔

باسمہ نے سر اٹھا کر امان کی طرف دیکھا۔ کیا اس کا دل اپنی جگہ پر ہے یا نہیں۔

امان رک رک کر بولا۔ "دیکھو نا؟ باسمہ۔ نو سال سے میں مسلسل اماں بی کو ٹالتا رہا ہوں۔ آخر تو مجھے ان کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے۔ یہ بھی تو میرے فرائض میں سے ہے۔ اولاد کی ضرورت کسے نہیں ہوتی؟ تم جانتی ہو' میں تمہیں کس قدر چاہتا ہوں۔ تمہیں چھوڑ نہیں سکتا۔ تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے بیچوں بیچ اگر کوئی حل نکل آئے تو تمہیں بھی اسے قبول کر لینا چاہیے۔"

باسمہ چپ ہو گئی۔

آئی تو تھی پھر سے سہاگ رات منانے۔ بہت دنوں کی جدائی نے اسے تڑپایا تھا۔ مگر اب جذبات کے برانگیختہ توے پر امان کی کج ادائی نے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال دیے تھے۔ سینے پر ہاتھ رکھا تو چپ کی سل کلیجے میں اتر گئی۔

"باسمہ' باسمہ۔"

امان نے دو' تین مرتبہ پکارا۔ پھر اٹھ کر اس کے چہرے پر جھک گیا۔

"خدا کے لیے مجھے غلط نہ سمجھو باسمہ۔ میں تمہیں ہرگز چھوڑنا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ آج بھی محبت کرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ مگر یہ بچہ۔ بچہ۔ یہ ایک خلش کہیں خلیج نہ بن جائے۔"

"بچہ خلیج نہیں بنے گا امان اللہ خان!"

"تمہاری بچہ ہمارے درمیان خلیج بنے گا۔"

"کتنا ستم ہے کہ جب میں ٹھیک سمجھ رہی ہوں' تم کہہ رہے ہو' میں تمہیں غلط نہ سمجھوں۔ اوف۔ اسی موڑ پر تو مرد بے نقاب ہوتا ہے۔"

"میں نے تو تمہیں اماں بی کی خواہش بتائی ہے۔ میں تمہاری اجازت کے بغیر شادی نہیں کروں گا۔ ہرگز نہیں۔ یونہی تمہارے قدموں میں رہوں گا۔"

"جب کسی مرد کے دل میں دوسری شادی کا خیال آ جاتا ہے۔ وہ اسی لمحے شادی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ خیانت ہو چکی۔ عملی کارروائی تو بالکل رسم سازی ہوتی ہے۔ میرے محبوب! دل بدلتے ہیں تو نصیب بھی بدل جاتے ہیں۔ اور وہ۔ جو تم میرے نصیب کی راتیں چرا کر اس پر نثار کرو گے! اور وہ جو مجھ پر چلائے ہوئے تیر اس پر آزماؤ گے۔ اور وہ جو مجھ پر برتے ہوئے فقرے اس کی جھولی میں ڈالو گے۔ اور وہ جو ہر رات ایک اسٹیج پر دو ڈرامے کرو گے۔ کیا اس سے تمہارا دل مطمئن ہو گا؟"

اور وہ جو ذرہ ذرہ کر کے تمہیں مجھ سے چرا لے گی۔

اور میں اپنے ذبح ہونے کا نظارہ ہر رات کس طرح دیکھا کروں گی۔ دیکھو تو مرد کی محبت کی انتہا۔ عورت کے گلے پر چھری پھیر کر اس کی رضا مانگتا ہے۔ اس کا مزار بناتا ہے۔ پھر اس پر جشن چراغاں کرتا ہے۔ اس کی روح کھینچ لیتا ہے۔ اور چاہتا ہے وہ مسکراتی رہے۔

اور ظلم کو احسان کی چادر میں لپیٹ کر پیش کرتا ہے۔

کاش کبھی کوئی عورت کسی مرد کو اتنی بڑی تکلیف دے سکے۔

اور صاف کہہ دے کہ میں تم سے سدا محبت کرتی رہوں گی۔ مجھے دوسرے مرد کی بیوی بننے کی اجازت دے دو۔ تقسیم ہونے سے کیا الفت مٹ جائے گی؟

باسمہ کو مات ہو چکی تھی۔

آگے چلنے کو اس کے پاس کوئی مہرہ نہ تھا۔

وہ برف کے تودے کی طرح پڑی رہی۔ نو سال کا ہر لمحہ اس پر اذیت بن کر اترتا رہا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے گزشتہ نو سال کا ہر پل ڈیپ فریزر میں رکھا رکھا ٹھٹھر گیا ہے۔ اسی طرح اسی عالم میں منجمد ہوا پڑا ہے۔

جب چلانے کا کوئی جواز نہ ہو مگر آدمی بے اختیار چیخنا چلانا چاہے۔ اس وقت منہ پر کیسے ہاتھ رکھا جائے؟

اس نے اپنی سُن ہوتی ہوئی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسایا اور اٹھ کر ان ہاروں کی کلیاں مسلنے لگی۔ جو وہ آتے ہوئے بازار سے خرید لائی تھی۔ اس نے ملن کی رات کا ایک انداز بنا رکھا تھا۔ رات جب بھی امان اپنے بیڈ روم میں داخل ہوتا۔ اسے یوں احساس ہوتا جیسے آج ہی اس کی شادی ہوئی ہے۔ چھپر کھٹ کو نئے انداز سے سنوار کر بیتی ہے سجانا اس کی پرانی ادا تھی۔ آج بھی وہ ڈھیر سارے گجرے' کلیاں اور پھول لے کر آئی تھی۔ بہت دن بعد ملن رت آ رہی تھی۔

پر بیچ میں سرخ دھاری کیسے آ گئی؟

اسی وقت بی اماں نے اچانک امان کو پکار کر بلا لیا اور وہ نیچے اتر گیا تو باسمہ کو سوچنے کا موقع مل گیا۔

اس نے اپنی ساری ہمت اور ذہانت مجتمع کی اور اپنے آپ سے بہت سے سوالات کیے۔

ہر بار اس کے دل نے یہی جواب دیا۔ سب کچھ اپنے ہاتھ سے کر دے۔ آج یہ شادی رکوا لے گی۔ کل کیا کرے گی؟ جو گھنا امنڈ گھمنڈ کے چھائی ہے۔ کسی نہ کسی رت میں چھاجوں برسے گی۔ کیا اماں بی باز آ جائیں گی۔ یا امان کے دل کی گرہ کھل جائے گی۔ مرد لوٹ آیا ہے تو گرے گا ضرور۔ بی اماں محتاط شکاری

www.pkdigest.com

تھیں۔۔۔ فہمیدہ کو اس کے سرہانے لا بٹھایا تھا۔ سرہانے کی طرف آگ ہو تو سینک پہلے چہرے کو پہنچتی ہے۔۔۔ اور وہ ہاتھوں میں پھول لیے اس آگ کو بجھانے کا تہیہ کیے کھڑی تھی۔ پھول آگ کو بجھاتے نہیں۔۔۔ ہاں انہیں اس آگ کو معطر کر دینا چاہیے۔

لیکن کیا تقسیم شدہ مرد مخلص رہ سکتا ہے؟

اور کیا کوئی مرد دونوں بیویوں کا حق برابر ادا کر سکا ہے، آج تک سنا تو نہیں؟

دیکھ بھی لیں گے۔

اماں نے اوپر بھیجنے سے پہلے امان کو اچھی طرح پڑھایا تھا۔ اور جب وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تو کہیں سے فہمیدہ نے نکل کر ہاتھ ماتھے پر لے جا کر سلام بھی کر دیا تھا۔ اس ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی جھلمل کر رہی تھی اور وہ ہاتھ امان کو ایک انگارہ سا لگا تھا۔ اس یاددہانی پر امان لرز سا گیا۔ دھیرے دھیرے اوپر چڑھنے لگا۔ ایک عورت کنارے کے اس پار کھڑی تھی۔ اس کا سراپا ٹھیک سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر اشارے سے اسے بلا رہی تھی۔ مرد کو اشارہ ہی تو تباہ کر دیتا ہے۔

ایک مبہم سے اشارے پر وہ اپنی زندگی کا دھارا ہی بدل دیتا ہے۔۔۔ دوسری عورت اس کے پہلو میں کھڑی تھی۔ اس کا دل گرما رہی تھی۔ مزاج داں تھی۔ محبوب تھی، چراغ کی طرح اسے ہتھیلیوں پر اٹھائے چلی جا رہی تھی۔۔۔ مگر۔۔۔

مرد کو پہلو میں بیٹھی ہوئی عورت کبھی نظر نہیں آتی، اس لیے وہ ہمیشہ سامنے دیکھتا ہے۔ قریب نہیں دیکھ سکتا۔

ذہن اس کا کمرے میں بھٹک رہا تھا۔ دل وہاں ایک مبہم سے اشارے میں اٹک گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک رات زندگی کی ان گنت راتوں میں سے نکال کر، باسمہ نے اپنی نصیب کی چادر پر سجالی۔ اس ایک رات کو وہ محبت کے زور پر جیت لینا چاہتی تھی۔ بھلا مرد کا ایمان بدلتے کون سی دیر لگتی ہے۔ باسمہ نے اپنا شب خوابی کا بہترین لباس پہنا۔ بالوں میں موتیا کی سفید کلیاں گوندھیں اور گلاب کی پتیوں سے تکیوں پر امان امان لکھ دیا۔۔۔ یوں وہ اکثر کیا کرتی تھی۔ امان جب کمرے میں آتا تو سفید بستر پر گلاب کی پتیوں سے جا بجا اس کا نام لکھا ہوتا۔ اور اسے پاگل کر دینے کو یہی کافی ہوتا۔ آج تو جنوں سامانی کے لیے اس نے سارے محاذ کھول دیے تھے۔ سارے کمرے میں سہاگ رات التجا بن کر اتر آئی تھی اور باسمہ دھیمے دھیمے سروں میں گنگنا رہی تھی۔

آج ہے پیار کا فیصلہ او صنم۔۔۔

امان کمرے میں آیا تو مبہوت ہو گیا۔

باسمہ تھی یا قیامت۔۔۔ شعلہ بداماں سی، ویسی ہی پراسرار۔ کلیوں میں گوندھی چاندنی کی طرح۔

"باسو! مجھے بچالو۔"

اس نے باسمہ کے بازوؤں میں چھپتے ہوئے کہا۔

یہی کچھ باسمہ سننا چاہتی تھی۔۔۔ اپنی دعاؤں کا اثر دیکھنا چاہتی تھی۔

"باسو۔۔۔ باسو۔۔۔" وہ اسے چلا چلا کر پکارنے لگا۔

یونہی باسمہ اسے بے خود کیا کرتی تھی اور جانتی تھی۔ جب شہزادہ جال میں پھنسے تو پھر کون سا منتر پھونکنا چاہیے۔ پر آج نہ جانے کیا ہوا۔ ہونٹوں سے نغمے پھوٹنے کے بجائے آنکھوں سے جھرنے پھوٹ بہے۔

باسمہ نے پہلے تو اس کے چہرے کو آنسوؤں سے غسل دیا اور پھر محبت کی انتہا کر دی۔ یہی ایک رات تو مانگی تھی اس نے امان سے۔

جب بے اختیار امان کہہ اٹھا۔

"بدنصیب ہے باسمہ! وہ مرد جو تمہیں بھول جائے۔"

"امان۔۔۔"

"باسمہ! تم میری جنت ہو۔ اور جنت کو کوئی منتشر نہیں کرنا چاہتا۔"

"امان! اگر اس جنت میں بچے نہ ہوں تب؟"

"لعنت بھیجو بچوں پر۔۔۔ مجھے تمہارے علاوہ کچھ نہیں چاہیے باسمہ!"

"امان! تم اماں سے بھی وعدہ کر چکے ہو۔"

"وعدہ توڑا بھی تو جا سکتا ہے نا؟"

"ہاں مگر یہ زہر کا پیالہ بن جائے گا۔"

"پھر میں کیا کروں؟ کیا کروں باسمہ؟" اس نے باسمہ کے لمبے بالوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے کھینچا۔ "میں اپنے آپ کو کیسے تقسیم کروں؟"

"ہاں۔۔۔ یہ سوچنے کی بات ہے امان۔۔۔ منقسم مرد کسی عورت کی امانت نہیں ہوتا۔ بعض اوقات مرد کو تقسیم کیا جائے تو وہ مر جاتا ہے۔ کیا تم میرے بغیر جی سکو گے امان؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" امان نے نشے میں لدی لدی آواز میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے، تم میرے بغیر جی نہیں سکتے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" امان نے اس کے بالوں میں منہ چھپا لیا۔ "اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے۔"

"صبح ہو گی نا؟" وہ آنکھیں موندے موندے بولا۔ "تو میں اماں سے صاف کہہ دوں گا۔"

"ہاں! صبح ہو گی جب۔۔۔" باسمہ نے افسردگی سے کہا۔ "آج کی رات بچیں گے تو سحر دیکھیں گے۔"

"تم دیکھ لینا۔"

"کیا کہہ دو گے بی اماں سے؟" باسمہ نے بہت سی پتیاں اٹھا کر اس کی پیشانی پر سجا دیں۔

"میں کہہ دوں گا، مجھے بچے کی ضرورت نہیں۔ میرا سب کچھ باسمہ ہے۔"

"وہ تو تم نو سال سے کہتے آ رہے ہو۔"

"نو سال تک اور کہتا رہوں گا۔"

"امان! میں تم پر نو صدیاں اور نثار ہوتی رہوں گی۔"

"باسمہ۔۔۔ باسمہ۔۔۔"

صبح جب وہ دونوں رات کی مرجھائی ہوئی پتیوں سے کھیل رہے تھے۔ تو بی اماں تاریخ مقرر کرنے کے لڈو لے کر اوپر آ گئیں۔

باسمہ نے امان کی طرف دیکھا، امان کے ہونٹوں کو تالا لگ گیا۔

کیا ان لڈوؤں میں کوئی طلسماتی طاقت تھی۔ باسمہ نے گزری رات کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

وہ اپنے آنسو چھپانے غسل خانے میں چلی گئی۔

مرد کی صبح اور رات میں بہت فرق ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

نیچے بی اماں کے ساتھ والا کمرہ سجاتے ہوئے باسمہ سوچ رہی تھی۔

کیا یہ سب کرنا بھی محبت میں رقم تھا۔ جب تقدیر اس کے خلاف ہو گئی تو اس نے سوچا، یہ سب اپنے ہاتھوں سے کرے۔ مرد طوطا چشم بن جائے تو عورت کو چشم پوشی کرنی چاہیے۔ یہ امید کیا کم تھی کہ وہ اب بھی امان کی تھی۔ اور امان نے سدا اسے اپنے قریب رکھنے کا وعدہ کر لیا تھا، قدرت کی بعض ستم ظریفیوں کے ساتھ سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔

اپنے شوہر کی شادی اپنے ہاتھ سے کرنا اور پھر اپنی سوتن کا چھپرکھٹ سجانا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یوں بھی کسی نے گرم سیخوں پر اپنا دل چڑھا کے اس کے کباب بنائے ہیں۔ مگر کبھی کبھی ایسا کرنا پڑتا ہے۔ محبت کے نام پر۔۔۔ یا مجبوری کے نام پر۔

وہ فہمیدہ کا چھپرکھٹ نہیں سجا رہی تھی، بلکہ اپنے مزار پر پھول چڑھا رہی تھی۔

اسی وقت گلے میں لمبا سا ہار پہنے امان سامنے نمودار ہوا۔

اس نے جن نظروں سے باسمہ کو دیکھا۔ باسمہ لرز گئی۔ تھوڑی دیر کے لیے اس کا دل چاہا۔ یہ جو انسانیت کا مصنوعی لبادہ اس نے اوڑھ رکھا ہے، اسے چاک کر دے۔ ہر فرض سے منہ موڑ لے۔ باغی ہو جائے، اور امان کو اپنے دونوں بازوؤں میں چھپا کر یہاں سے کہیں فرار ہو جائے۔ اس میں اور امان میں ابھی صرف دو قدم کا فاصلہ تھا۔ یہ فاصلہ بڑھتے بڑھتے سات سمندر بن جانے والا تھا۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے پھول اسے بچھوؤں کی صورت ڈسنے لگے۔

www.pkdigest.com

کل رات آخری رات تھی جو امان نے اس کے زانو پر سر رکھ کر بتا دی تھی۔ ساری شب وہ امان کے چہرے پر اپنی زلفیں پھیرتی رہی تھی اور امان مسلسل قسمیں کھاتا رہا تھا۔ ثابت قدمی کی، وفا شعاری کی۔۔۔ واہ! وہ ہر بار ہنس پڑتی۔

"کیسے عیسیٰ ہو کہ بیمار کیے دیتے ہو؟"

کل شب بڑی تاریک، بڑی پر سوز تھی۔ جب بھی بے تاب ہو کر امان قسم کھاتا، ستارے شرارت سے آنکھیں مارتے۔۔۔ ستاروں کی اس شرارت آمیز بدشگونی پر وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔

اور آج وہ نیند کی گولیاں خرید لائی تھی۔ یوں رات اس لیے تو نہیں آتی کہ ضرور سونا چاہیے۔ مگر کبھی کبھی تو رات کے بغیر بھی سو جانے کو جی چاہتا ہے۔ ایک لمبی نیند، اور آج امان اسے کیسی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ان نظروں میں بے بسی تھی، یا فریب کے چاک ہو جانے کا ڈر، اس کا شکی دل ہر ایک سے بدگمان ہو رہا تھا۔

باسمہ نے اپنی آنکھوں کے آنسو چھپانے کے لیے یوں نظریں پھیر لیں، جس طرح ہر جائی مرتی عورت کی آمد پر پھیرتا ہے۔ ان مسکی کلیوں کو اپنے آنسوؤں کی شبنم سے بھگوتی وہ اوٹ میں ہوتی جا رہی تھی کہ بی اماں لال جوڑا پہنے نمودار ہوئیں۔

بارات جانے کی جلدی تھی اور بی اماں باسمہ کو بارات کے ساتھ لے جانا چاہتی تھیں۔ ان کو ڈر تھا کہ اگر اس کو گھر میں چھوڑ گئے تو شاید عروس نو کے چھپر کھٹ پر وہ کوئی نامرادی کا ٹونا ٹوٹکا کر دے گی بھلا نامرادوں کے پاس گھر جلانے کے لیے تعویذ کہاں سے آئیں گے؟

وہ بارات کے ساتھ جانا نہ چاہتی تھی۔ مگر جانا پڑا۔ یوں جیسے کوئی اپنے ہی جنازے کے ساتھ چل رہا ہو۔

لوگ ہمدردی نہیں کرتے۔ ہمدردی کے بہانے زبان کا چھرا گھونپ کے تڑپنے کا تماشا دیکھتے ہیں۔ اسی لیے تو ایسے موقعوں پر الٹے سیدھے سوال کرنے سے باز نہیں آتے۔

"یہ ہے پہلی بیوی۔"

"ہائے کتنی خوبصورت ہے؟"

"اف اللہ! اتنی سندر مورت کے ہوتے ہوئے دوسری شادی رچا رہا ہے۔"

"سچ کہا ہے کسی نے، سہاگن وہی جسے پیا چاہے۔"

"بچہ نہیں ہے بے چاری کا! چچ چچ۔"

"ہائے ہائے بدنصیب بے چاری۔ اس خوبصورت جوانی کا کیا فائدہ؟ اللہ کے کام بھی نیارے ہوتے ہیں۔"

"واہ میرے مولا تیرے صدقے۔"

"ویسے ہے دل گردے والی۔ خاوند کی بارات لے کر آئی ہے۔ اور کس طرح ہنس ہنس کے ہر ایک کو بری دکھا رہی ہے۔"

(کاش اپنا دل دکھا سکتی۔)

"فہمیدہ تو اس کے پاؤں کی جوتی بھی نہیں۔"

"مگر جب اس کے بچے ہو جائیں گے تو اس پر بھی راج کرے گی۔"

یوں ایسی باتیں سن کر مسلسل مسکرائے جانا بھی حوصلے کی بات ہے۔ لوگ تو بار بار مسکراہٹ کا پردہ چاک کرنا چاہتے ہیں، لوگ تو چاہتے ہیں دل میں نشتر چبھو کے بوند بوند لہو ٹپکنے کا نظارہ بھی اپنی آنکھوں سے کر لیں۔ لیکن لدے ہوئے بادل کم ظرف نہیں ہوتے، زمین دیکھ کر برستے ہیں۔

مسکراتے مسکراتے اس کے جبڑے دکھنے لگے۔

اور جبر کرتے کرتے اس کا دل پھوڑا بن گیا۔ تب کہیں بارات گھر آئی۔

پھر وہ نیچے نہیں رک سکی۔ دوڑ کر اوپر آ گئی۔

اور کمرے میں رات اندھیری تھی اور امید کا کوئی ستارہ بھی خالی آسمان پر نظر نہیں آ رہا تھا۔

سیج کی اوٹ میں جو ڈرامہ ہوتا ہے، اسے وہ بھول جانا چاہتی تھی۔ اور مرد کے اس روپ کو بھی۔ جانے کیسے پل پل بیتی اندھے کنوئیں میں پھنک رہی تھی کہ ایک شور سا اٹھا۔ پھر دھڑ سے دروازہ کھلا، اور امان اندر آ گیا۔

ایک ملنے کے لیے اس کی دھڑکنیں رک گئیں۔ اگر دل کے رشتوں کی مضبوطی کا یہ عالم ہے کہ امان خوبصورت لمحات کی زنجیر توڑ کر پرائی محبتوں کی آغوش میں چلا گیا ہے۔ تو آج شب کے بعد وہ زندہ نہ رہے گی۔ اور اس خوشی کی قیمت اپنی زندگی دے کر چکائے گی۔ اور امان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا انعام دے جائے گی کہ وہ تر و تازہ پھول کی طرح اسے یاد رکھے گا۔

مگر امان تو بڑا ہراساں دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے سر اور کندھوں پر جو پھول لٹک رہے تھے۔ وہ لرز بھی رہے تھے۔ گریبان کے بٹن کھلے تھے، آنکھیں چڑھی چڑھی تھیں۔ جیسے کسی دشمن نے پلائی ہو۔۔۔ سانس بے ترتیب تھی۔ اور ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ وہ ڈرتی کانپتی کھڑی ہو گئی۔

پیچھے ہی اماں بی اور چند عورتیں بھی کمرے میں داخل ہوئیں۔

خداوندا!

کیا کوئی اور قیامت بھی آئے گی؟

اب کون سا کھیل پھر رچایا جائے گا؟

وہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"بیٹا! بولو نا؟" بی اماں کی آواز آئی۔

تو وہ اپنی بھاری، لرزاں لرزاں آواز میں بولا۔

"باسمہ! میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

"نہیں امان نہیں۔۔۔ اپنے الفاظ واپس لو۔ تم میرے بغیر جی نہ سکو گے میں تمہارے بغیر۔"

"باسمہ! میں ان سب لوگوں کی موجودگی میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

تین ہی بار بمباری کرنا تھی اسے۔

اماں بی بازو سے پکڑ کر اسے باہر لے گئیں۔ یہ بہادری کا کارنامہ کرنے کے بعد وہ بھی نڈھال نظر آ رہا تھا۔

باسمہ کی چیخیں اس کی اپنی حالت زار پر ہنسنے لگیں۔ یہ آخری ہدایت بھی فہمیدہ کو اماں بی کی طرف سے تھی۔۔۔ کہ جوں ہی اسے سرشار کر لو۔ ہوش اور بے ہوشی کے کنارے پر لے آؤ، تو ایک قدم آگے بڑھنے سے پہلے طلاق کا مطالبہ کر دینا۔ دیکھو، طلاق دلوائے بغیر اسے اپنا شوہر نہ بننے دینا۔ چاہے اس کے لیے کتنی ہی راتیں غارت کرنا پڑیں۔ ورنہ اس کے بعد تمہاری جیتنے والا سب سے بڑا پتہ ضائع کر دو گی۔"

"امان، امان۔"

باسمہ سسک نہیں رہی تھی، رو نہیں رہی تھی، اس کی یہ بے ترتیب سانس امان، امان کا ورد کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

یک دم ترک تعلق میں بھی رسوائی ہے
الجھے دامن کو چھڑاتے نہیں جھٹکا دے کر!

جب تک ہوش رہا، سسکتی رہی، نیند کی گولیاں کھانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، ایک بار جو بے ہوش ہوئی تو پھر دن کی دھوپ نے ہی اسے ہوش دلایا۔

اور اماں بی نے بھی نئے دولہا دلہن کے اٹھنے سے پہلے اسے میکے پہنچا دیا۔ سامان بعد میں پہنچ گیا، شام تک وہ حصہ، وہ چھپر کھٹ نئی دلہن کے لیے سجا دیا گیا تھا۔

یہ سب کتنا ناممکن سا لگتا تھا۔ مگر جب موت اور زندگی میں صرف ایک سانس کا فاصلہ ہے، اور پل بھر میں یہ فاصلہ پاٹ جاتا ہے۔ آنکھیں موندتے ہی دوسرا جہان آ جاتا ہے تو وہ کس طرح ایک دن میں اپنا طویل سفر نہیں طے کر سکتی؟

☆ ☆ ☆

اس وقت امان ایک جنرل اسٹور کے باہر کھڑا اپنے دوست کے ساتھ گپ شپ لگا رہا تھا۔ اب وقت بے وقت فضول گوئی کرنا، دفتر سے اٹھ کر آوارگی کرنا، جدھر چاہا منہ اٹھا کے چل دینا اس کی عادت بن چکی تھی۔ زندگی کا کوئی رویہ رہا تھا نہ اصول۔

جونہی اس نے نظر اٹھا کر دیکھا، سامنے گاڑی میں باسمہ جا رہی تھی۔ جانے کیوں اب بھی، جب بھی وہ باسمہ کو دیکھ لیتا کوئی جیسے اس کے دل میں ایک چٹکی لیتا، وہ چار سال تو۔۔۔ اسے باسمہ کہیں نظر ہی نہ آئی تھی۔ ویسے اس نے سن لیا تھا کہ اس نے کسی امیر آدمی سے

www.pkdigest.com

شادی کرلی ہے۔ اس نے اپنی کینچلی بدل لی ہے اور بڑی خوش و خرم رہتی ہے۔ جانے کیوں اسے باسمہ کی شادی کی خبر نے دکھ پہنچایا تھا؟ کیا وہ چاہتا تھا ساری عمر باسمہ بھکاریوں کی طرح ناداری زندگی گزار دیتی؟

مگر کس برتے پر؟

پھر ایسا ہونے لگا کہ شہر کے کسی چوراہے پر، کسی ریستوران میں کسی مارکیٹ میں اسے باسمہ نظر آہی جاتی۔ اپنے نئے شوہر کے ساتھ، کسی نئی سہیلی کے ساتھ، کبھی تنہا اپنی نئی کار میں۔ اس کے تن پر دیدہ زیب لباس ہوتا اور چہرے پر اتنا اطمینان ہوتا کہ امان کا دل جل کر کباب ہو جاتا۔ ایسا اطمینان اور ایسا سکھ تو امان کے نصیب میں نہیں آیا تھا، حالانکہ وہ بامراد تھا، اور باسمہ کی کوکھ ابھی تک خالی تھی۔

جب بھی وہ باسمہ کو اس عالم میں دیکھ لیتا۔ اس کا دل چاہتا، وہ جاکر سر راہ باسمہ کو پکڑ لے اسے کوئی کچوکا لگائے، اسے بے وفائی، کج ادائی کا طعنہ دے، کوئی ایسی بات کہے کہ ہنستی ہوئی باسمہ رو پڑے۔

www.pkdigest.com

آج بھی جب باسمہ بڑے وقار سے گاڑی چلاتی ہوئی اس کے آگے سے گزر گئی تو بے اختیار اس کا دل چاہا وہ اس کا پیچھا کرے۔ بالکل اس طرح جس طرح جوانی کے اولین دنوں میں وہ اس کا پیچھا کیا کرتا تھا۔ باسمہ ان دنوں کالج کے آخری سال میں تھی۔ اور امان یونیورسٹی کے آخری سال میں تھا۔ دوسرے نوجوان لڑکوں کی طرح وہ بھی چھٹی کے وقت زنانہ کالج کے گیٹ کے باہر کھڑا ہو جاتا تھا۔ پھر ایک دن اس کی نظر باسمہ کے لمبے بالوں میں الجھ کر اس کی خوبصورت گہری براؤن آنکھوں پر ٹھہر گئی۔

اس دن کے بعد سے وہ صرف باسمہ کا انتظار کیا کرتا، اس کا پیچھا کرتا۔ اس بس اسٹاپ تک جاتا جہاں سے باسمہ گھر کے لیے سوار ہوتی تھی۔ یوں اس کی رسائی باسمہ کے گھر تک ہوئی۔ پیچھا کرنے کا یہ عمل پانچ سال تک جاری رہا، حتیٰ کہ باسمہ کے دل میں وہ چنگاری پھوٹ نکلی جو آتش عشق کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ تب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا تھا اور باسمہ

دل کے جذبوں پر ایمان لے آئی تھی۔

مگر کسی لڑکی کا پیچھا کرنے میں کس قدر مزہ آتا ہے، اسے اب تک یاد تھا۔ گو وہ اب نوجوان جوشیلا قسم کا عاشق نہیں تھا، مگر باسمہ ابھی تک اتنی ہی خوب صورت تھی کہ کوئی مرد اسے دیکھے تو اس کا پیچھا کرنے پر مجبور ہو جائے۔

وہ بے کلی میں ٹہلتا ٹہلتا سڑک پر دور تک نکل آیا۔ اور مضطربانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ سڑک کے پار، بڑے چوراہے کی بغل میں اس کی نظر ٹھٹک گئی۔ بینک کی لیڈیز برانچ کے باہر باسمہ کی پیلے رنگ کی کرولا کھڑی تھی۔ ”غالباً“ وہ بینک کے اندر گئی تھی۔

جنرل اسٹور کا مالک امان کا دوست تھا۔ امان اس کے پاس گیا اور بولا۔

”یار! میری گاڑی باہر کھڑی ہے۔ دھیان رکھنا۔ میں ذرا سڑک کے پار بینک تک جا رہا ہوں۔“ وہ سڑک پار کر کے بینک تک چلا گیا۔ گو بینک تک کہکشاں راستہ نہیں بچھا رہی تھی مگر جانے اسے ان راہوں پر جانا اچھا لگا۔

پھر وہ موٹر کے قریب چلا گیا۔ اور بے اختیار جھانک جھانک کر اندر کی طرف دیکھنے لگا۔ موٹر کی پچھلی سیٹ پر بلوچی کام کی دو گدیاں پڑی تھیں۔ ونڈ اسکرین کے آگے، ایک خوبصورت سنہرے بالوں والی گڑیا لٹک رہی تھی۔ آگے انگریزی کے دو تین ناول پڑے تھے۔ ایک ڈبہ ٹشو پیپر کا اور ایک ایئر فریشنر کی بوتل بھی نظر آرہی تھی۔ باسمہ خوشبو کی دیوانی تھی۔ اس لیے موٹر میں بیٹھتے ہی چاروں طرف خوشبو چھڑک لیا کرتی تھی۔ اور بار بار ٹشو پیپر سے پسینہ صاف کیا کرتی تھی۔ اس کی آج بھی وہی عادت تھی، اجلی اجلی، مسکی مسکی۔

پھر ایک اندرونی ابال اور تجسس کے مارے وہ موٹر کے نزدیک چلا گیا۔ موٹر کی سطح پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ جیسے کہ باسمہ کو چھو رہا ہو۔ بھٹکتے بھٹکتے ہاتھ دروازے کی کنڈی کو جا لگا۔ دروازہ کھٹ سے کھل گیا، وہ ڈر گیا۔

پھر مسکرایا۔ یہ عورتیں کتنی بھی ہوشیار بننے کی کوشش کیوں نہ کریں۔ عورتیں ہی رہتی ہیں۔ بھلا اس طرح ایک چالو سڑک پر گاڑی لاک کیے بغیر چھوڑ جانا کہاں کی سمجھ داری ہے۔ کوئی مرد یہ غلطی نہیں کرسکتا کہ وہ جانتا ہے کوئی "کس حد تک کمینہ" ہوسکتا ہے۔"

اپنے اس فقرے پر وہ خود ہی چونک بھی گیا اور گھبرا کر دروازہ پورا کھول دیا۔ اور بالکل غیر ارادی طور پر موٹر کے اندر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اندر سے چھڑکی خوشبو کے علاوہ باسمہ کی مخصوص خوشبو بھی آرہی تھی۔

عین اسی وقت باسمہ بینک کے اندر سے نکلی اور پرس جھلاتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔۔۔ امان سیٹ پر بیٹھا بیٹھا منجمد ہوگیا۔ وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھتی بڑھتی رک گئی۔ اور پھر چاروں طرف یوں دیکھنے لگی جیسے اپنا مغالطہ دور کرنا چاہتی ہو۔ اگر یہ گاڑی جس میں کوئی اجنبی بیٹھا تھا' کسی اور کی تھی تو اس کی اپنی گاڑی کہاں تھی؟

پھر جھک کر اس نے نمبر پلیٹ کو دیکھا' اور جھنجلاتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔ کسی اجنبی کی دیدہ دلیری پر اس کا خون کھول اٹھا۔۔۔ نہ جانے کون احمق انسان تھا؟ اس کی پریشانی بھانپ کر امان نے سر باہر نکالا اور معذرت کے سے انداز میں بولا۔

"کہیں آپ کی گاڑی ہے؟"

باسمہ نے چابی کو مٹھی میں گھمایا اور اسے گھورتی ہوئی آگے بڑھی۔ جھٹکے سے دروازہ کھول کر' تنی تنی سی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی کہ شاید کوئی منچلے صاحب خوامخواہ لفٹ لینا چاہتے ہیں۔ اسٹارٹ کرنے سے پہلے ان کا مزاج درست کرنا ضروری تھا۔ سر اٹھا کر غور سے دیکھا تو اس کی پیشانی کے بل لرز کر رہ گئے' منہ کھلے کا کھلا رہ گیا' چابی اسٹارٹ تک جا نہ پائی' اب منجمد ہونے کی اس کی باری تھی۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس طرح امان سے ملاقات ہوجائے گی' اتنے ڈرامائی انداز میں' امان کی اس بے تکلفی پر اسے حیرت ہوئی' اور گاڑی کھلی چھوڑ کر جانے پر افسوس ہوا' کچھ لمحوں تک وہ بالکل بولنے کے قابل نہ ہوسکی۔

تھوڑی دیر بعد امان رک رک کر بولا۔

"اس طرح گاڑی کھلی چھوڑ کر نہیں جاتے' کوئی بھی ناخوشگوار حادثہ ہوسکتا ہے۔"

باسمہ نے کار اسٹارٹ کردی۔ اب وہ حواسوں میں آچکی تھی۔ بڑے نپے تلے لہجے میں بولی۔

"یہ بھی۔۔۔ ایک ناخوشگوار حادثہ ہے۔"

امان آیا تو تھا باسمہ کو کچوکے لگانے' دل کی آگ بجھانے' مگر اس کے قریب بیٹھتے ہی موم کی طرح پگھلنے لگا۔ الفاظ پگھل پگھل کر اس کی گویائی کو سلب کرنے لگے تو باسمہ پھر بولی۔

"مہربانی کرکے آپ اتر جائیں۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ نہیں اتروں گا تو پھر تمہارا ردِعمل کیا ہوگا؟"

باسمہ نے گھور کر اسے دیکھا' اور بولی۔

"مجھے یقین ہے' آپ ضرور اتر جائیں گے۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں آپ کو اس گاڑی میں بیٹھنے کا حق نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں اعتماد اور زہر دونوں تھے۔

امان لرز گیا' اسے یوں لگا' آج پہلی بار وہ نصیب کی بلندیوں سے گرا ہے۔

روتے ہوئے لہجے میں ٹوٹ کر بولا۔

"چند باتیں کرنے کی اجازت دو باسمہ! پھر میں خود ہی اتر جاؤں گا۔"

"کچھ عرصہ ہوا' مجھے ڈرامائی انداز سے بالکل نفرت ہوگئی ہے۔" باسمہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر گاڑی چلادی۔ "میں نہیں جانتی' کون سی باتیں رہ گئی ہیں' جو آپ کو پانچ' چھ سال کے بعد یاد آگئی ہیں اور اگر ہیں تو آپ کو قانون کی رو سے میرے وکیل کے ساتھ رابطہ کرنا چاہیے تھا۔"

"بالکل امیر عورتوں کی طرح گفتگو کررہی ہو۔ تمہارا تو لب و لہجہ ہی بدل گیا ہے۔" امان نے بڑے یتیم سے انداز میں کہا۔

"کسی کا دل بدلتا ہے' کسی کا لہجہ بدل جاتا ہے۔ دنیا کی ہر شے بدل جانے پر قادر ہے۔"

"باسمہ!"

یکایک امان کے لہجے میں روٹھا ہوا' ٹوٹا ہوا بچہ آن بیٹھا۔

"یہ لگتا ہے جیسے تم اپنی موجودہ زندگی سے بہت خوش ہو۔ تم بہت مطمئن نظر آرہی ہو۔ کیا تمہارا شوہر بہت اچھا ہے' بہت پیار کرتا ہے تم سے؟"

"تو کے پیچھے' یہ کیا کہہ رہے ہو۔" امان نے اپنے کان خود کھینچے۔ "تم اس عورت کو تکلیف پہنچانے آئے تھے اور گھگھیا کیوں رہے ہو؟ ذلیل لگ رہے ہو۔"

"جی' میرا شوہر بہت اچھا ہے اور مجھ سے بہت پیار کرتا ہے' اور اسے بچے کی آرزو بھی نہیں۔"

اب کے برچھی باسمہ نے پھینکی تھی۔

اور اس کے سارے تیر خطا ہوگئے تھے۔

وہ جھوٹ نہ بول سکا' کوئی بات نہ بنا سکا' مجبور چور کی طرح اپنے دل کا ہر راز اگلنے لگا۔

"باسمہ! مجھے دیکھو۔ میں خوش نہیں ہوں۔" باسمہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی خوش نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا تو حلیہ ہی بدل گیا تھا۔ نہ چہرے پر شگفتگی تھی نہ شادابی۔ آنکھوں کے گرد اور ٹھوڑی کے نیچے بے شمار لائنیں پڑ گئی تھیں۔ آدھے بال سفید ہوگئے تھے۔ جسم موٹا اور بھدا لگ رہا تھا۔ کوٹ میں سے توند باہر نکلی ہوئی صاف نظر آرہی تھی۔ ہاتھ بے وھب اور ناخن پیلے تھے۔ کپڑے بھی کوئی خاص صاف نہیں تھے۔ جوتے پر پالش نہیں تھی۔ جس طرح پرانے گھر کا فرش ہر جگہ سے اکھڑا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح امان کی شخصیت پر ادھڑ جانے کے نشانات تھے۔ کبھی تو اس ادھیڑ عمر آدمی کو باسمہ دور سے نہیں پہچان سکی تھی۔ اس کی شخصیت بڑی دلکش اور من موہنی صورت تھی۔ بانکا چھبیلا تھا۔ خوش مذاق اور خوش مزاج تھا۔ صبح کو خوشبوؤں میں نہا کر جاتا تھا۔ باسمہ نے اسے ایسے رکھا ہوا تھا جیسے ماں اکلوتے بیٹے کو بنا سنوار کے رکھتی ہے۔ اب تو وہ کسی غریب گھر کا گیارہواں بچہ لگ رہا تھا۔ ذرا چربی چڑھتی تو باسمہ اس کے لیے پرہیزی کھانا بنانے لگتی۔ ذرا جسم ڈھیلا ہوتا تو وہ اس سے صبح کو ایکسر سائز کرواتی۔ ذرا حلقے نمایاں ہونے لگتے تو رات کو اسے دودھ جلیبیاں کھلاتی اور صبح گلاب کے عرق سے منہ دھلاتی۔ جس طرح کوئی موتیا کا نازک پودا اپنے کچے صحن میں لگالیتا ہے اور پھر اسے ہاتھوں کی اوٹ دے دے کر سینچتا ہے۔ اس طرح باسمہ اسے سینچ رہی تھی۔ جس طرح تند ہواؤں میں کوئی بیراگن اپنا چراغ اوڑھنی کی اوٹ میں کرلیتی ہے' اسی طرح باسمہ نے اسے حالات کی گرمی سے بچایا ہوا تھا۔

اف کس قدر بدصورت اور تباہ حال لگ رہا تھا یہ آدمی' جیسے باسمہ جیسی شہزادی کا ملازم ہو۔

"باسمہ۔" وہ شرمندہ سے لب و لہجے میں بولا۔ "یہ تو ٹھیک ہے کہ بچے اس دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہیں اور کسی انسان کی خوشیوں کی معراج ہیں۔ جب تم میرے ساتھ رہتی تھیں تو کبھی کبھی بچے کی خلش مجھے بھی تڑپایا کرتی تھی۔ مگر محض تمہاری خوشنودی کی خاطر میں اس حقیقت سے آنکھیں پھیر لیا کرتا تھا۔ جب اماں بی نے میرا گھیراؤ کرلیا اور میرے اردگرد فہمیدہ کا دائرہ تنگ کرنے لگیں تو میری خفتہ خواہش بھی جاگ اٹھی' ایک جوان عورت کا قرب اور ایک بچے کی آرزو' دونوں نے مل کر میری آنکھیں بند کردیں۔ میں نے اپنے ذہن کی آواز سننے سے انکار کردیا اور دل کے اشاروں پر چلنے لگا۔ مرد کی سوچ دور تک نہیں جاسکتی۔ اسے صرف "آج" نظر آتا ہے۔ عورت کی طرح کل اس کا خزانہ نہیں ہوتا۔ کہ وہ اسے سنبھال کر رکھ لے' میں وہ بالکل بازی گر تھا جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی خواہشات کو اپنی انگلیوں پر نچاتا رہے گا۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ چپ ہوگیا۔ جب باسمہ کچھ نہیں بولی تو پھر شروع ہوگیا۔

"شاید تم جانتی ہوگی کہ اب میرے چار بچے ہیں اور پانچواں پیدا ہونے والا ہے' میں نے دنیا کی سب سے

www.pkdigest.com

بڑی خوشی دیکھی ہے۔ پھر میں کیوں ٹوٹ پھوٹ گیا ہو' اجڑ گیا ہوں؟ منزل پر پہنچنے کے بجائے بھٹک کیوں رہا ہوں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں' فہمیدہ جتنی بدصورت لڑکی ہے' اتنی ہی بدمزاج بھی ہے۔ ہر بچے کی آمد اس کی تنک مزاجی میں اضافہ کرتی جاتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے بچے پیدا کر کے اس نے مجھے خرید لیا ہے۔ اسے اپنی ذات کے سوا کسی کا خیال نہیں ہوتا۔ وہ انتہائی بداخلاق' پھوہڑ اور بدسلیقہ لڑکی ہے۔ وہی گھر جو تمہاری موجودگی میں جنت کا ٹکڑا لگتا تھا۔ اب گندگی کا نمونہ لگتا ہے۔ مجھے چاندنی کے سائے میں رہنے کی عادت تھی۔ مجھے تم نے کہکشاں پر لٹایا تھا' مجھے تم نے ذہنی و جسمانی آسودگی کا امرت پلایا تھا۔

تم نے میرے اتنے ناز اٹھائے تھے کہ میں شیشے کا شہزادہ بن گیا تھا۔ جو تمہیں لگنے سے چٹخ جاتا ہے۔ فہمیدہ کم فہم اور جھگڑالو عورت ہے۔ وہ چاہتی ہے میں اس کے ناز اٹھاؤں۔ نہیں اٹھا سکتا تو اپنی بدزبانی سے میرا جگر زخمی کر دیتی ہے۔ میں گھر سے دور رہتا ہوں۔ باہر آوارگی کرتا ہوں' رات بھر سکون سے سو نہیں سکتا۔ گندے غلیظ بچے مجھے خوشی نہیں دے سکتے۔ کوئی میرا خیال نہیں رکھتا' کوئی مجھ سے پیار نہیں کرتا۔"

وہ چپ ہو گیا۔

جیسے کوئی گلے میں اپنی چیخ دبا تا ہے۔

پھر اپنی آواز پر قابو پا کر بولا۔

"بہت دنوں کے بعد مجھے پتا چلا کہ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ایک خوش اخلاق' نیک اطوار' شفیق اور خدمت گزار بیوی ہے۔ تمہارا سلیقہ' تمہارا طریقہ' تمہارا چلن' تمہاری محبت ایک بات مجھے یاد آ کر رلاتی رہی' میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکا باسمہ' اور آج تمہیں دیکھ کر بے اختیار ادھر آ گیا ہوں۔ اور اعتراف کر رہا ہوں کہ بچے کا نہ ہونا اتنی بڑی محرومی نہیں جتنی بڑی بدنصیبی تمہارے جیسی عورت کو ٹھکرانا ہے۔"

"اب آپ کہاں اتریں گے؟"

اسی سکون سے باسمہ نے پھر پوچھا۔

"کیا یہ میری بات کا جواب ہے؟" امان نے غرا کر کہا۔ "اس وقت سے میں جھک مار رہا ہوں؟"

"کیا یہی وہ باتیں تھیں' جو آپ کرنا چاہتے تھے؟" اس کا لہجہ کیسا اجنبی تھا۔

امان کو شرم سی آنے لگی۔ "ہاں۔" اس نے کہا۔

"کہنا تو اور بھی بہت کچھ تھا۔ مگر تمہاری بے حسی نے میری زبان بند کر دی ہے۔"

باسمہ تھوڑا سا مسکرائی۔

"تم نے کہا تھا نا؟" امان جلدی سے بولا۔ "کہ تم میرے بغیر جی نہ سکو گے۔" "تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اب میں زندہ تو ہوں مگر پھر اس نے باسمہ کو غور سے سر سے پیر تک دیکھا' اور تلخی سے بولا۔ "مگر تم خوش ہو' مسرور ہو' تمہارے حلیے سے نظر آ رہا ہے۔ ورنہ تم اتنی بنی سنوری کبھی نہ ہوتیں' تم نے بھی تو کہا تھا اگر میرے علاوہ کوئی اور مرد تمہیں چھو لے گا تو تم مر جاؤ گی' عورتیں کس قدر جھوٹی اور ہرجائی ہوتی ہیں۔ سچ ہے عورت صرف دولت پر مرتی ہے' تم نے ایک امیر آدمی سے شادی کر لی اور تمہیں وہ غریب آدمی بالکل بھول گیا۔ گاڑی لیے پھرتی ہو' اپنا چہرہ دیکھو' اتنا میک اپ تم پہلے کبھی نہیں کیا کرتی تھیں۔ اتنی دیدہ زیب اور فیشن ایبل تم پہلے کبھی نہ تھیں۔ سچ بتاؤ' کیا تمہیں میرا نعم البدل مل گیا ہے؟"

"امان صاحب!" باسمہ نے گیئر بدلا اور بولی۔

"سب سے بڑی دولت قناعت کی دولت ہے۔ پر مرد دنیا میں اللہ کا خلیفہ بن کر بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ جبکہ ایک عورت اگر بانجھ پیدا کر دی جائے تو وہ اپنی قسمت پر صابر و شاکر ہو جاتی ہے۔ مرد کو اللہ کی رضا پر صبر نہیں آتا۔ اللہ کی بنائی ہوئی دنیا میں دخل اندازی کرتا رہتا ہے' اس لیے بے سکون رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بہت مطمئن اور مسرور ہوں اور اللہ کی احسان مند بھی۔"

"کیا تمہارا شوہر تم سے بہت محبت کرتا ہے؟" امان نے شکست خوردہ لہجے میں پوچھا۔ اور پھر اپنے سوال کا زخم خود ہی کھا کر جواب دے بیٹھا۔

"کوئی بدقسمت مرد ہو گا۔ جو تمہیں حاصل کر کے

تم سے محبت نہ کر سکے۔ تم تو خود سرتاپا محبت ہو۔"

اسٹیئرنگ پر باسمہ کے ہاتھ لرز اٹھے۔ اب معاملہ برداشت سے باہر ہوا جا رہا ہے اور ممکن تھا کہ ضبط کے اس سٹم پر کوئی ایکسیڈنٹ ہو جائے۔ بڑی دیر سے وہ اپنے آپ کو سنبھال رہی تھی۔ اور الفاظ ڈھونڈ رہی تھی اپنی کہانی کے حسب حال۔

اس دن جب اماں بی نے اسے نیم غشی کے عالم میں باپ کے گھر پہنچا دیا تو دنیا اس کے آگے اندھیر ہو گئی۔ ماتم کرنے کی شدت نے مہلت نہ دی تھی اور جلدی جلدی کتاب زندگی کے ورق پلٹ گئے تھے۔ اس لیے اس نے چپ کا روزہ رکھ لیا۔ مگر کئی دن تک وہ بستر پر بڑی امان کا انتظار کرتی رہی تھی کہ شاید صبح کی بھولی شام کو یاد آ جائے' نو سال کی تین ہزار دو سو پچاسی راتیں اس کے ساتھ بسر کی تھیں' ان ہی راتوں میں کوئی شوخ رات ضدی بالک بن کر اس کی انگلی پکڑ لائے' اپنی کج ادائی پر اسے رونا آ جائے اور خود چلا آئے۔ مگر اماں بی کا انتظام کچھ ایسا کچا نہیں تھا۔ انہوں نے پورے چار ماہ کے لیے امان اور فہمیدہ کو اس شہر سے باہر اپنی بہن کے پاس بھیج دیا تھا۔ فہمیدہ کے ساتھ ہدایات کی گٹھڑی بھی تھی۔ البتہ طلاق کے باقاعدہ کاغذات گھر آ گئے تھے۔

ابا جی کی زبان مفلوج ہو چکی تھی۔ وہ بول نہیں سکتے تھے' مگر دیکھ تو سکتے تھے۔ باسمہ جانتی تھی کہ ابا جی جانے والے ہیں' مگر اس نے ان سے یہ خبر چھپائی نہیں' بلکہ انہیں سب کچھ بتا دیا' ابا جی کی بولتی آنکھیں لمحے بھر کو ساکت ہو گئیں' پھر انہوں نے اپنے وکیل کو بلوا بھیجا' پہلے اپنی ساری جائیداد وقف کر کے جا رہے تھے۔ اس میں سے کچھ فلیٹ اور دکانیں باسمہ کے نام کر دیں۔ نئے سرے سے وصیت نامہ لکھوایا۔ نئے سرے سے ہدایات جاری کیں۔

باسمہ کی عدت ختم ہو گئی۔ مگر ابا جی کا دم اٹکا رہا۔ باسمہ کو اکثر یوں محسوس ہوتا کہ ابا جی پرواز کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کے پر اڑنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ شاید وہ ابا جی کی پرواز میں حائل ہو رہی تھی۔ ان کی مردہ آنکھوں میں ایک زندہ سوال تھا جیسے کہنا چاہتے ہوں۔

"مرنا چاہتا ہوں۔ مر نہیں سکتا۔ یوں میرے سامنے بیٹھی رہو گی تو کیسے مروں گا؟"

ابا جی کے پاس جو وکیل صاحب آئے تھے' ان کا نام بھی عبدالوکیل تھا۔ اور وہ شہر کے نامی گرامی وکیل تھے۔ عمر میں ابا جی سے چھوٹے تھے۔ مگر ابا جی کے ساتھ دوستانہ مراسم ایک عرصے سے تھے۔ بہت زیادہ لمبے اور دبلے پتلے تھے۔ ہاتھوں کی رگیں بھی صاف نظر آتی تھیں۔ رنگت ان کی زرد زرد سی اور آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں۔

ایک دن جب وہ کاغذات کے پلندے ابا جی کے پاس رکھ کر جانے لگے تو باسمہ ان کے پیچھے لپکتی چلی گئی اور بولی۔

"وکیل صاحب! ایک ذاتی سا سوال کرنا چاہتی ہوں۔"

"فرمایئے۔" وکیل صاحب گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے رک گئے۔

"آپ نے شادی کیوں نہیں کی اب تک؟" وکیل صاحب کو ایک جھٹکا سا لگا۔ ناگواری کی شکن ان کی پیشانی پر نمودار ہوئی' مگر آہستہ سے بولے۔

"کوئی مجبوری تھی۔" اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

باسمہ دوسری طرف سے دروازہ کھول کر ان کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"کیا آپ نے کسی کو وچن دے رکھا تھا؟"

وکیل صاحب کو باسمہ کی یہ دخل اندازی بری لگ رہی تھی۔

"نہیں۔" وہ سختی سے بولے۔ "بعض لوگ محرومیوں کے ساتھ پیدا کیے جاتے ہیں۔ اگر میں شادی کا اہل ہوتا تو مناسب وقت پر رشتوں کی کمی نہ تھی۔"

"ہاں وکیل صاحب!" باسمہ جلدی سے بولی۔ "قدرت بہت انصاف پسند ہے۔ وہ صرف مردوں پر ایسے ظلم نہیں ڈھاتی' عورتوں پر بھی ڈھاتی ہے۔ میں بھی پیدائشی بانجھ ہوں۔ اسی وجہ سے مجھے طلاق ہو گئی'

www.pkdigest.com

آپ نے شادی نہیں کی کہ ایسی بد مزگی سے بچنا چاہتے تھے۔ میں نے ہر ممکن طریقے سے شادی کو نبھانے کی کوشش کی مگر بربادی میرا مقدر بن گئی۔"

وکیل صاحب نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تو وہ بڑی دیانت داری سے بولی۔

"آپ میرے ساتھ شادی کرلیں۔"

"بی بی! آپ ہوش میں ہیں؟"

"بہت سوچ سمجھ کر یہ بات کہہ رہی ہوں۔ میرے باپ کا دم مجھ میں اٹکا ہے۔ ان کو سرخرو کرنا چاہتی ہوں۔

آپ تو خود قانون داں ہیں اور جانتے ہیں کہ ایک عورت، جوان ہو۔ خوبصورت ہو اور پھر طلاق شدہ بھی ہو اور اس کے اوپر شرعی سائبان نہ ہو تو یہ دنیا اسے الزامات کے خنجر سے لہولہان کرتی رہتی ہے۔ اس کو ناکردہ گناہوں کی سلاخوں سے داغا جاتا ہے۔ اس کے اُجلے دامن پر پاپ کی پیک پھینکی جاتی ہے۔ اگر آپ مجھ سے شادی کرلیں گے تو مجھے ایک باعزت اور شریف آدمی کا تحفظ مل جائے گا۔ معاشرے کی سب سے بڑی بیکیورٹی مل جائے گی۔

یہ تو میری خود غرضی، مگر آپ سے کیا چھپانا؟ میں نے ہوش سنبھالتے ہی اماں کو اپنا دین و ایمان سمجھا تھا۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتی کہ کوئی دوسرا آدمی کبھی مجھے چھو بھی سکتا ہے۔ اگر کسی دن کسی نے مجھے غلطی سے بھی چھو لیا تو میں مرجاؤں گی اس بات کا خطرہ آپ کے ساتھ رہنے میں تو نہیں نا؟ اس لیے تو جھولی پھیلا کے آپ کے سامنے آگئی ہوں۔ بھلا کبھی کوئی عورت یوں سوالی بن کے بھیک مانگتی ہے؟

اس کے عوض میں آپ کو کیا دوں گی؟ آپ کے گھر میں آپ کی خادمہ بن کر رہوں گی۔ آپ بیمار رہتے ہیں آپ کو ایک نرس کی ضرورت ہوگی۔ ایک تنہا مرد نرس رکھنے کا الزام کہاں اٹھا سکتا ہے۔ مجھے نرس بنا کے رکھ لیجیے۔ بی۔ اے تک میری تعلیم ہے۔ آپ کے دفتر کا بہت سا کام کرسکتی ہوں۔ آپ کے موکلوں سے مل سکتی ہوں۔ اور بھی کئی چھوٹے موٹے کام نکل آئیں گے۔ بڑھاپے میں کسی دوست کی ضرورت ہوتی ہے۔ تنہا گھر میں دم گھٹتا ہے اور کیا آپ کے اطمینان کے لیے اتنا کافی نہیں کہ آپ ایک بے آسرا عورت کو سہارا دے رہے ہیں۔ میں اپنی ہر سانس کے ساتھ آپ کو دعا دوں گی۔ دعا کی تو ہر خاکی کو ضرورت ہوتی ہے۔

"دعا لینا چاہتے ہیں آپ وکیل صاحب؟"

باسمہ نے سب کچھ ایک ہی سانس میں اگل کے وکیل صاحب کی طرف رحم طلب اور پرامید نظروں سے دیکھا۔

وکیل صاحب نے باسمہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کے بچے اور صبیح چہرے کو پرکھا اور پھر مسکرا دیے۔

دوسرے دن چند احباب کی موجودگی میں نکاح ہوگیا۔

ابا جی بول نہ سکے۔ مگر ٹکر ٹکر باسمہ کو دیکھتے رہے کہ اس نے ایک مریض اور بڑی عمر کے آدمی کا ہاتھ کیوں کر پکڑ لیا اور تیسرے دن ابا جی نے زبان کے ساتھ آنکھیں بھی بند کرلیں۔

جانے خوشی تھی یا صدمہ؟

اطمینان پاتے ہی چلے گئے۔

باسمہ وکیل صاحب کے گھر آگئی۔ گھر ویسا ہی تھا جیسا عورت کے بغیر ہوتا ہے۔ میلا کچیلا کچن' اور دوائیوں کی بے شمار خالی اور بھری ہوئی بوتلیں۔

باسمہ کو ستھرائی اور پاکیزگی کا جنون تھا۔

گھر دلہن بن گیا تو وکیل صاحب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

بولے

"کون بد قسمت تھا وہ، جس نے تمہیں طلاق دے دی۔ مجھے یوں لگتا ہے اب سے پہلے میں قبرستان میں رہتا تھا۔ اگر ایک خوبصورت گھر میں ایک سلیقہ شعار عورت رہتی ہو اور لوگ اسے تمہاری بیوی کہیں تو زندہ رہنے کے لیے یہی احساس کافی ہے۔ باسمہ! تم نے میری عمر بڑھا دی ہے۔"

ویسے لوگوں نے وکیل صاحب اور باسمہ کو کم باتیں نہیں بنائی تھیں۔

"کھوسٹ کو عشق کا سودا ہوا ہے۔ قبر میں پاؤں لٹکائے تو سرا باندھنے کا خیال آگیا۔"

"ارے نہیں۔ ایک آدمی کا مقدمہ لڑ رہا تھا۔ روز آنا جانا تھا وہاں اس کی بیوی اڑا لایا۔"

"دیکھو تو اس کے کرتوت۔ کسی شادی شدہ جوڑے کو طلاق پر آمادہ کرلینا' ان وکیلوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"سچ ہے مرد کا کسی عمر میں اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔"

اور پھر باسمہ سے کون خوش تھا؟

"چار دن بھی نہ گزارے گئے شوہر کے بغیر۔ عدت ختم ہوتے ہی شادی رچالی۔ سنا ہے پہلی شادی بھی عشق بازی کا نتیجہ تھی۔ خوبصورت عورتوں کو شادیاں رچانے کا شوق ہوتا ہے۔"

"اللہ جانے بیچ میں کیا بات تھی۔ سنا ہے وکیل صاحب سے اس کا رابطہ تھا۔ باپ کے پاس آیا کرتے تھے بس وہیں سے کوئی گڑبڑ شروع ہوگئی اور بات طلاق تک پہنچ گئی۔ تب ہی تو جھٹ اس نے باپ کی عمر کے آدمی سے شادی کرلی۔"

"باپ بے چارا اسی صدمے سے مرگیا۔ اب دوسرے شوہر کو کھائے گی۔"

باسمہ ان سب باتوں سے بے پروا۔ دن بھر گھر کو بناتی' سنوارتی' شام کو وکیل صاحب دفتر گھر پر ہی لگاتے تھے ان کی منشی گیری کرتی۔ ان کے مہمانوں کو چائے بنا بنا کر پلاتی۔ ان کی فائلیں ترتیب دیا کرتی۔

رات گئے ان کو بہت سی دوائیاں کھلا کر پانی کی بوتل میز پر رکھ کے شب بخیر کہہ کے اپنے بیڈ روم میں آجاتی۔ بیڈ روم کی ہر شے سفید تھی۔ مصفا اور معصوم۔ بستر پر رات گئے تک لیٹ کر وہ کتابیں پڑھا کرتی۔ اور پھر اپنی پرانی محبت کو خراج دینے کے لیے بلا ناغہ آنسو بہاتی اور سو جاتی۔

کبھی کبھی وکیل صاحب رات کو اٹھ کر اسے دیکھنے

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔

☆ نئے بال اگاتا ہے۔

☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔

☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے یکساں مفید۔

☆ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل قیمت=/70 روپے

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لیے .... =/90 روپے

2 بوتلوں کے لیے .... =/160 روپے

3 بوتلوں کے لیے .... =/240 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لیے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 2735021

آتے تھے۔

وہ سوتے میں انہیں بہت اچھی لگا کرتی تھی۔ اپنے ہلکے زرد رنگ کے نرم تکیے کو دونوں بازوؤں میں بھینچ کر سینے سے لگا کے اپنا ایک رخسار اس پر ٹکا دیتی تھی۔ سوتے میں وہ معصوم بچی لگا کرتی تھی۔ جس کا کھلونا ٹوٹ گیا ہو۔ اور وہ مچلتے مچلتے سو گئی ہو۔ کبھی کبھی اس کی لمبی پلکوں میں اٹکے ہوئے آنسو وکیل صاحب صاف نظر آجاتے۔ شاید وہ سوتے میں مسلسل روتی تھی۔ کیونکہ وہ جاگتے میں مسلسل مسکراتی رہتی تھی۔ وکیل صاحب بے خودی کے عالم میں اسے دیکھتے رہتے۔ بڑھ کر کبھی نہیں چھوتے تھے۔ وہ جانتے تھے، چھونے سے یہ پری مرجائے گی۔ بڑی نازک ہے۔ سانس کی گرم ہوا بھی نہیں سہہ سکتی۔ وہ اسے ہمیشہ زندہ دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے اکثر دیکھ کر چلے جاتے تھے۔

رات بھر رونے والی باسمہ صبح تازہ دم ہو کر اٹھتی۔ نئے سرے سے کاموں کی ابتدا کرتی۔ دس گیارہ بجے کاموں سے فارغ ہو کر وہ بہترین لباس پہنتی۔ خوب قرینے سے میک اپ کرتی، اپنی آنکھوں کو مسکارے سے سجاتی۔ ہونٹوں، رخساروں، پپوٹوں پر گلابیاں پھیر دیتی۔ وکیل صاحب کے کورٹ جانے کے بعد، وہ بھی اپنے اوپر خوشبوؤں کی بارش کرتی اور پھر گاڑی نکال کر باہر نکل جاتی۔ وکیل صاحب نے اپنے بہت سے کام اس کے سپرد کر رکھے تھے۔ یعنی بینکوں میں جانا۔ ڈاکٹروں سے رابطہ رکھنا ـــــ گاڑی کا لائسنس بنانا۔ وکیل صاحب کے دفتر کا حساب کتاب لکھنا۔ ضروری خطوں کے جواب دینا، ان کے عزیزوں سے رابطہ رکھنا، وکیل صاحب کی زندگی کے کئی شعبے اس نے سنبھال رکھے تھے۔ ہر کام خوش اسلوبی سے کر رہی تھی۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر نظر آتی تھی کہ وہ وکیل صاحب کی واقعی مشکور تھی۔ اگر وہ اس پر پر چادر نہ ڈالتے تو اس کا کیا حشر ہوتا۔ خوب میک اپ کرتی تھی کہ چہرے کی کوئی سلوٹ دل کی شکستگی کا راز نہ فاش کردے۔ ہر وقت مسکراتی رہتی تھی کہ اس کا نام باسمہ تھا۔ اور باسمہ کا مطلب ہے۔ "مسکرانے والی"

مسکرانے والیاں تو ہر دل کو اچھی لگتی ہیں۔ ان کا دل مسکرائے یا نہ مسکرائے۔

اس پر آج اس ظالم نے سرِ راہ اسے پکڑ لیا تھا اور اس کے پُرسکون سمندر میں لہروں کا مدوجزر پیدا کرنا چاہ رہا تھا۔

"امان!" باسمہ نے پرسوز ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"امی جی کہا کرتی تھیں، بانجھ عورت آسیب زدہ مکان کی طرح ہوتی ہے، جس میں کوئی مرد صرف پل دو پل ہی ٹھہر سکتا ہے۔

وہ ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ آسیب زدہ مکان کو کتنا بھی سجائیں، قمقموں اور فانوسوں سے مالا مال کردیں، آرام دہ بنائیں، جنت نظارہ بنائیں، خوشبوؤں میں بسائیں، تب بھی کون بسیرا لیتا ہے ایسے مکان میں۔۔۔

سنسناہٹوں کی چیخیں اور وسوسوں کی آہٹیں اسے بھاگ جانے پر مجبور کرتی ہیں۔ نو سال تک میں اپنے جسم کے مکان کو سجا کے بیٹھی رہی۔

پھر ایک دن تم نے بھی مجھے آسیب زدہ ہونے کا احساس دلا دیا۔ کیا جینے کے لیے اتنا حوصلہ کافی نہ تھا۔

ایسے مکان کی مالیت اور کرایہ کم کردینے سے، کچھ مجبور لوگ بلاؤں کے ساتھ بسر کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔"

"باسمہ ـــ" اب کے امان نے بڑی محبت سے کہا۔ "خوش تم بھی نہیں ہو شاید ـــ میں نے تمہیں ٹھکرا کر اچھا نہیں کیا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے بچھڑ کر ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں، آؤ اچھے دوستوں کی طرح دوبارہ ملا کریں۔"

"اچھے دوستوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"ہونی انہونی تو نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم اپنی زندگی کا کچھ وقت خوبصورتی سے ضرور گزار سکتے ہیں۔"

ایک دم باسمہ کا پاؤں بریک کو لگ گیا اور گاڑی پچھلی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

تب اس نے آہستہ سے اپنی گاڑی اس خطرناک

موڑ سے نکالی اور ایک کونے میں کھڑی کردی۔ اور اپنی خوبصورت گیلی گیلی آنکھوں پر اجنبیت کی کالی عینک چڑھا کر بولی۔

"کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے نا کہ لہو رونے والی آنکھوں کو نت برسنے والی پلکوں کو مسکارے کا غسل دیا جاتا ہے، سسکیاں بھرنے والے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی تہہ جمائی جاتی ہے۔ اور داغ داغ دل کو خوبصورت ملبوسات میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ ورنہ یہ دنیا جینے کا حق چھین لیتی ہے۔"

تھوڑی دیر کے لیے وہ رک گئی، جیسے اپنے آنسو ضبط کر رہی ہو۔ پھر بولی۔

"امان! طوائف اور عورت میں بڑا فرق ہے، مرد اس فرق کو نہیں پہچان سکتا۔ اس کے خمیر میں خودغرضی کے عناصر زیادہ شامل ہوتے ہیں۔ مرد اور عورت دونوں ہی ایک مکان کی مانند ہوتے ہیں۔ مگر فرق میں تمہیں بتاتی ہوں۔ مرد ایک ایسا مکان ہے جو بار بار اپنے مکین بدلنا چاہتا ہے۔ نت نئے کرائے دار کے اسے مزہ آتا ہے۔ وہ پرانے لوگوں سے جلدی بیزار ہو جاتا ہے۔ مگر عورت، ایک ایسا مکان ہے جو زندگی میں صرف ایک بار آباد ہوتا ہے۔ ایک ہی بار مکین آتا ہے، اور اس میں سما جاتا ہے۔ اگر وہ پہلا مکین چھوڑ کر چل دے تو عورت اپنی مرضی سے آسیب زدہ مکان بن جاتی ہے تاکہ کبھی کوئی دوسرا اس کے اندر قدم نہ رکھ سکے۔ میں نے تم پر احسان کرنے کے لیے تمہیں یہ سب کچھ نہیں بتایا۔ ایک فلسفہ سمجھایا ہے کہ میں نے زندگی بسر کرنے کا سلیقہ کیونکر سیکھا۔

تمہارے جانے کے بعد اپنے تن کے اس مکان کو میں نے مقفل کردیا ہے۔ اور اس کی چابی یادوں کے بھنور میں پھینک دی ہے۔ پھر وقتاً فوقتاً میں نے اس قفل پر اپنی محرومیوں کے اتنے آنسو بہائے ہیں کہ یہ مالا زنگ آلود ہو گیا ہے۔ محبت کے زنگ آلود قفل کو دنیا کی کسی زبان کی حلاوت نہیں کھول سکتی۔ اس کو توڑنا پڑتا ہے۔ جو صرف موت کا پیغامبر اپنی پہلی ضرب سے توڑ دیتا ہے۔

میرا شوہر ایک شریف آدمی ہے۔ میرا اس کے ساتھ ایک معاہدہ ہے۔ میں مقفل در کے اندر بیٹھی ہوں، مجھے دنیا کے شور و شر سے کچھ مطلب نہیں، اسی لیے تو مطمئن ہوں کہ چوری کا کھٹکا نہیں ہے۔

کل رات تک میں ہر رات تمہاری یاد میں آنسو بہا کر سویا کرتی تھی۔ میں نے اپنے جی میں یادوں کا ایک تاج محل بنا لیا تھا۔ جس میں بچے کی ناآسودہ خواہش ممتاز محل کی طرح پڑی سوتی تھی۔ اور ہر رات میں تمہاری یاد کے چند آنسو پھولوں کی جگہ اس کی نذر کیا کرتی تھی امان!

ایسی گھٹیا بات کر کے تم نے مجھ سے یادوں کا وہ چراغاں چھین لیا ہے۔ آج کے بعد میں تمہیں اس طرح یاد نہ کرسکوں گی۔

مگر ایک بات یاد رکھنا، قفل میرے تن پر اسی طرح رہے گا۔"

باسمہ نے دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھول دیا اور تیزی سے بولی۔

"اب تم جاسکتے ہو۔"

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
بن روئے آنسو
فرحت اشتیاق
قیمت ۔۔۔ -/200 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

www.pkdigest.com